

حدیث کے طرز و طالبات کیلئے ایک انمول پیش رہنما

مبائر حدیث

علم حدیث کی تعریف، موضوع، غرض غایت، تقسیم
علم حدیث کی تاریخی حیثیت، حجیت حدیث، تدوین حدیث
حدیث کا شرعی حکم، طبقات کتب حدیث، انواع کتب حدیث
تقسیم حدیث اور فوائد اس پر تفصیلی کلام کے ساتھ ساتھ
ائمہ حدیث کا رد چسپ تذکرہ

از افادات

حضرت مولانا مفتی احمد خان صاحب انصاری مدظلہ

تقریظ

مولانا ابن الحسن عباسی صاحب

استاذ الحدیث وفق شعبہ تصنیف جامعہ قزوینی

جمع و ترتیب و تحقیق و توشیح

حضرت مولانا مرغوب احمد لہوری صاحب

مقیم ڈیوبوری



مکتبہ بیت العلم کراچی

موقوف علیہ کے طور و طاباات کیلئے ایک انمول پیشہ بہا تحفہ

مبارکاتِ حدیث

علمِ حدیث کی تعریف، موضوع، غرض و غایت، اقسام
 علمِ حدیث کی تاریخی حیثیت، اہمیت، حدیث، تدوین، حدیث
 حدیث کا شرعی حکم، طبقات، کتبِ حدیث، انواع، کتبِ حدیث
 تقسیمِ حدیث اور فوائدِ اسرار، تفصیلی کلام کے ساتھ ساتھ سستہ
 المراد حدیث کا اہلِ چسپ تکرار

از اخراجات

حضرت مولانا مفتی محمد عثمان صاحب دہلوی مدظلہ

تقریب
 مولانا ابن الحسن عباسی صاحب
 اُستاد الحدیث و فقیہ شریعت تصنیف و تالیف کر رہے ہیں

صحیح و تالیف تحقیق ہوئی
 حضرت مولانا مرغوب احمد لاجپوری صاحب
 مقیم ڈوبوہری

مکتبہ بیتِ العلم

G-30، اسٹوڈنٹ بازار، نزد مقدس مسجد،

آرود بازار، گراچی۔ فون: 2726509

مَدَّ حَقُّوْقِ حَقِّی نَاشِرِ مَحْفُوْظِ اَھْلِیْنَ

11010305

— اشاکسٹ —

مکتبہ بیت العلم

G-29، گراؤنڈ فلور، اسٹوڈنٹ بازار، نزد مقدس مسجد،

اردو بازار کراچی، فون: 2726509

کتاب کا نام مبادیات حدیث

تاریخ اشاعت محرم ۱۴۲۶ھ برطانیہ مارچ ۲۰۰۵ء

مپوزنگ قَارُونَ اَعْظَمَ تَهْمًا زُرَّكَ لَیْلِی

ناشر بیت العلم ٹرسٹ

ST-9E بلاک نمبر B، گلشن اقبال، کراچی

فون: 4976073 فیکس: 4976339

ای میل - bit-trust@cyber.net.pk

مِلے چکے دی بکری تپتے

- مدرسہ بیت العلم، گلشن اقبال، کراچی
- ادارہ الاشاعت، اردو بازار، کراچی
- ادارہ القرآن، السیلہ چوک، کراچی
- صدیقی ٹرسٹ، السیلہ چوک، کراچی
- مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور
- مکتبہ سید احمد شہید، اردو بازار، لاہور
- بیت القرآن، اردو بازار، کراچی
- ادارہ الانور، بنوری ٹاؤن، کراچی
- قدیمی کتب خانہ، بانقاش آرام باغ، کراچی
- مکتبہ البخاری، صابری پارک، لیڈی، کراچی
- مکتبہ الحسن، اردو بازار، لاہور
- رحمن بک ہاؤس، اردو بازار، کراچی

مِیْلَی مَیْلَی مَیْلَی مَیْلَی

فہرست مضامین

صفحہ	عنوان
۱۲	تقریباً
۱۴	عرض غرضی
۱۵	پیش لفظ از حضرت مفتی احمد صاحب خان پوری دامت برکاتہم
۱۶	مقدمہ علم حدیث
۱۸	تعریف کا مقصد
۱۸	امراؤں علم حدیث کی تعریف
۱۹	علم روایت حدیث کی تعریف
۲۰	ایک اشکال اور اس کے تین جواب
۲۱	موضوع کا مقصد
۲۱	امرتانی موضوع
۲۳	غرض و غایت سے مقصود
۲۳	امرتانی غرض و غایت
۲۳	روایت حدیث کی پہلی غرض
۲۶	قابل غور بات
۲۶	محدثین کو خلفاء کیوں فرمایا؟
۲۶	محدثین کی ایک اور فضیلت
۲۶	دوسری غرض
۲۶	تیسری غرض

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ضروری گزارش

السَّلَامُ عَلَیْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهَا

حضرات علماء کرام اور معزز قارئین کی خدمت میں نہایت ہی عاجزانہ التماس کی جاتی ہے کہ حتی الامکان ہم نے کتاب میں تصحیح و تخریج کی پوری کوشش کی ہے تاکہ ہر بات مستند اور باحوالہ ہو پھر بھی اگر کہیں مضمون یا حوالہ جات میں سقم و ضعف یا اغلاط نظر آئیں تو آزرہ کرم ناشر کو ضرور مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں وہ غلطی باقی نہ رہے۔

مزید اس کتاب کے متعلق کوئی اصلاحی تجویز ہو تو ضرور بتائیں۔ اس کتاب کی تصحیح اور کتابت پر الْحَمْدُ لِلّٰهِ كَافِي مَحْنَتٍ هُوَئِي بِهٖ اَمِيْدٌ ہے قدر دان لوگ مسلمانوں کے لئے کی گئی اس محنت کو دیکھ کر خوش ہوں گے اور اللہ تعالیٰ سے قبولیت کی دعا کرتے رہیں گے۔

بِجَزَائِكُمْ اللّٰهُ خَيْرًا

آپ کی قیمتی آراء کے منتظر

احباب بیت العلم ٹرسٹ

صفحہ	عنوان
۲۸	چوتھی غرض
۲۹	امراض و وجہ تسمیہ
۳۱	قرآن، حدیث، فقہ
۳۲	تقلید ائمہ کیوں؟
۳۳	دوسری وجہ تسمیہ
۳۳	تیسری وجہ تسمیہ
۳۵	حدیث و خبر کے درمیان نسبت
۳۶	امراض خاص "مؤلف"
۴۰	علم حدیث کی تاریخی حیثیت
۴۳	مدقن اول
۴۷	احادیث پر ہونے والے اشکالات اور ان کے جوابات
۵۲	ایک اور اشکال
۵۳	جواب
۵۴	ایک اور اشکال
۵۵	جواب
۵۵	حجیت حدیث
۵۷	نکتہ
۵۸	امراض اجناس
۵۹	امراض مرتبہ حدیث
۵۹	امراض قسم و تہویب
۶۰	امراض حکم شرعی

صفحہ	عنوان
۶۱	انواع کتب
۶۱	پہلی قسم "جوامع"
۶۳	دوسری قسم "سنن"
۶۳	تیسری قسم "مسند"
۶۵	چوتھی قسم "مجموعہ"
۶۶	پانچویں قسم "مشیختات"
۶۶	چھٹی قسم "اجزاء و رسائل"
۶۷	ساتویں قسم "اربعینہ"
۶۹	آٹھویں قسم "افراد و غرائب"
۷۰	نویں قسم "مستدرک"
۷۰	دسویں قسم "مستخرج"
۷۱	گیارہویں قسم "مطل"
۷۲	بارہویں قسم "أطراف"
۷۳	تیرہویں قسم "تراجم"
۷۳	چودھویں قسم "تعلیقہ"
۷۳	پندرہویں قسم "تخارج"
۷۴	سولہویں قسم "زوائد"
۷۴	سترہویں قسم "ترغیب و ترہیب"
۷۵	اٹھارہویں قسم "مسلسلات"
۷۵	انیسویں قسم "مخلائیات"
۷۷	بیسویں قسم "امالی"

صفحہ	عنوان
۷۷	ایک سوں قسم "مختصر"
۷۷	بایسویں قسم "شرح الآثار"
۷۷	تیسویں قسم "اسباب الحدیث"
۷۸	چوبیسویں قسم "ترتیب"
۷۸	پچیسویں قسم "تالیف علی حروف المعجم"
۷۹	چھیسویں قسم "موضوعات"
۸۰	ستائیسویں قسم "الکتب المؤلفہ فی الادعیۃ الماثورۃ"
۸۰	اٹھائیسویں قسم "ناسخ و منسوخ"
۸۱	انیسویں قسم "تشابہ الحدیث"
۸۲	طبقات کتب حدیث
۸۲	پہلا طبقہ
۸۸	دوسرا طبقہ
۸۹	تیسرا طبقہ
۹۰	چوتھا طبقہ
۹۲	شروط الائتہ الستہ
۹۲	تقسیم حدیث
۹۲	اقسام خبر واحد
۹۵	① مرفوع
۹۵	② موقوف
۹۵	③ مقطوع
۹۵	خبر واحد کی دوسری تقسیم

صفحہ	عنوان
۹۵	① مشہور
۹۵	② عزیز
۹۵	③ غریب
۹۵	خبر واحد کی تیسری تقسیم
۹۵	① صحیح لذاتہ
۹۵	② حسن لذاتہ
۹۶	③ ضعیف
۹۶	④ صحیح لغیرہ
۹۶	⑤ حسن لغیرہ
۹۶	⑥ موضوع
۹۶	⑦ متروک
۹۷	⑧ شاذ
۹۶	⑨ محفوظ
۹۶	⑩ منکر
۹۶	⑪ معروف
۹۶	⑫ مضطرب
۹۶	⑬ مقلوب
۹۶	⑭ محضف
۹۷	⑮ مدرج
۹۷	⑯ معلل
۹۷	خبر واحد کی چوتھی تقسیم

صفحہ	عنوان
۹۷	① متصل
۹۷	② مسند
۹۷	③ منقطع
۹۷	④ معلق
۹۷	⑤ معضل
۹۸	⑥ مرسل
۹۸	⑦ بدلس
۹۸	خبر واحد کی پانچویں تقسیم
۹۸	① معنعن
۹۸	معنعن کے متصل ہونے کی شرط
۹۸	② مسلسل
۹۹	عمر و بن شعیب والی روایت کی تحقیق
۱۰۱	مقدمۃ الکتاب
۱۰۱	امراول غرض
۱۰۱	امریثانی وجہ تسمیہ
۱۰۳	امریثالث مؤلف کتاب
۱۰۳	مؤلف المصاحف
۱۰۵	احادیث مصاحف
۱۰۵	مؤلف مشکوٰۃ
۱۰۷	مشکوٰۃ کی احادیث، کتب، ابواب
۱۰۸	شروح، حواشی، تراجم

صفحہ	عنوان
۱۰۹	① نوع مشکوٰۃ
۱۰۹	② امر رابع نوع
۱۰۹	③ امر خاص مرتبہ
۱۰۹	④ امر سادس قسمت و تبویب
۱۱۰	⑤ امر سابع حکم شرعی
۱۱۰	⑥ منسوبات مشکوٰۃ
۱۱۱	⑦ تذکرہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ
۱۱۷	⑧ تذکرہ امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ
۱۲۱	⑨ تذکرہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ
۱۳۳	⑩ نسخ موطا
۱۳۵	⑪ تذکرہ یحییٰ بن یحییٰ مصمودی رحمہ اللہ تعالیٰ
۱۳۸	⑫ زیاد بن عبد الرحمن رحمہ اللہ تعالیٰ
۱۳۹	⑬ موطا کی وجہ تسمیہ
۱۴۰	⑭ موطا کے ایک مبہم راوی
۱۴۱	⑮ تذکرہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ
۱۴۵	⑯ تذکرہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ
۱۴۹	⑰ تذکرہ امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ
۱۵۳	⑱ تذکرہ امام ابو داؤد رحمہ اللہ تعالیٰ
۱۵۶	⑲ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کا عجیب واقعہ
۱۵۷	⑳ تذکرہ امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ
۱۶۰	㉑ تذکرہ امام ابن ماجہ رحمہ اللہ تعالیٰ

تقریظ

مولانا ابن الحسن عباسی صاحب

استاذِ حدیث جامعہ فاروقیہ

زیر نظر کتاب، درحقیقت حدیث شریف کی شہرہ آفاق داخلِ درس کتاب ”مشکوٰۃ شریف“ کا مقدمہ ہے، جس میں علمِ حدیث کے مبادیات اور اصول و ضوابط کا تعارف کرایا گیا ہے، حدیث کے لغوی، اصطلاحی معنی، تدوینِ حدیث، کتبِ حدیث کی قسمیں، انواعِ علمِ حدیث اور جلیل القدر محدثین کے حالات اس میں آسان اور مددگارانہ اسلوب میں جمع کئے گئے ہیں، دراصل یہ حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری مدظلہ العالی کے درسی افادات ہیں، جنہیں مولانا مرغوب احمد لاجپوری نے مرتب و مدقون کیا ہے اور حواشی پر بھی انہوں نے حوالہ جات کا کام کیا ہے..... بیتِ العلم کے احباب نے اس کی نئی کمپوزنگ اور جدید تصحیح کرائی ہے اور ناقص حوالوں کی بھی تکمیل کی ہے..... امید ہے کہ طلبہ اور علماء بطور خاص اس سے فائدہ اٹھائیں گے۔

ابن الحسن عباسی

۱۲ ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ



صفحہ	عنوان
۱۶۲	تذکرہ امام داری رحمہ اللہ تعالیٰ
۱۶۴	تذکرہ امام دارقطنی رحمہ اللہ تعالیٰ
۱۶۷	تذکرہ امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ
۱۷۰	تذکرہ امام رزین رحمہ اللہ تعالیٰ
۱۷۱	فوائد اسناد
۱۷۳	اپنی سند مشکوٰۃ
۱۷۶	طالبین سے گزارش
۱۷۶	① اخلاص
۱۷۷	② احترام
۱۷۷	③ استحضار
۱۷۸	④ اجتناب عن المعاصی
۱۷۹	⑤ با وضو درس کا اہتمام
۱۷۹	⑥ دعا
۱۸۱	مصادر و مراجع



عرض محشی

حضرة الاستاذ مولانا مفتی احمد صاحب خانیوری دامت برکاتہم کا ”مقدمہ مشکوٰۃ“ ۱۹۹۵ء میں مولانا مفتی محمود بارڈولی صاحب زید مجدہ نے حضرت کی اجازت سے کچھ اضافہ اور ترتیب دے کر ”مبادیات حدیث“ کے نام سے شائع کیا۔ اس مقدمہ میں حدیث کے متعلق بہترین معلومات مثلاً:

علم حدیث کی تعریف، موضوع، غرض و غایت، وجہ تسمیہ، علم حدیث پر شہادت کے جوابات، حجیت حدیث، مدقن، اجناس، مرتبہ حدیث، حکم شرعی، انواع کتب حدیث، طبقات کتب حدیث، تقسیم حدیث، مقدمۃ الکتاب وغیرہ مفید عنوانات کے ساتھ ساتھ سترہ ائمہ حدیث کے دل چسپ حالات پر مشتمل یہ کتاب اس بات کی متقاضی تھی کہ اسے جدید طرز پر خوبصورت انداز میں شائع کیا جائے۔

ساتھ ہی اس زمانہ کے اسلوب کے مطابق حوالہ جات کا اہتمام بھی کیا جائے، اس لئے مناسب سمجھا گیا کہ اس پر تحقیق و حاشیہ کا کام ہو، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ محض اس کے فضل و کرم سے یہ سعادت راقم کے حصہ میں آئی، چنانچہ بزرگوں کے حکم پر یہ کام شروع کیا اور الحمد للہ چند دن میں مکمل ہو گیا۔

آیات کا حوالہ، احادیث کی تخریج، بعض مواقع پر کچھ اضافے کی ضرورت محسوس ہوئی تو وہاں اضافہ بھی کیا گیا۔ بعد میں حضرت الاستاذ دامت برکاتہم نے من و عن اسے ملاحظہ بھی فرمایا اور جہاں مناسب سمجھا اصلاح فرمائی۔ اللہ تعالیٰ اس حقیر کاوش کو شرف قبولیت سے نوازے اور اسے حدیث پاک کی ادنیٰ خدمت شمار فرمائے۔ حضرت موصوف اور مرتب و محشی کے لئے ذخیرہ آخرت بنائے (آمین)۔

مرغوب احمد لاجپوری

پیش لفظ

از حضرت الاستاذ مولانا مفتی احمد صاحب خانیوری دامت برکاتہم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حَامِدًا وَمُصَلِّيًا وَمُسَلِّمًا:

پہلی مرتبہ جب مشکوٰۃ شریف کے درس کی ذمہ داری احقر کو سونپی گئی تو اس وقت علم حدیث اور کتاب مشکوٰۃ سے متعلق ضروری اور اہم ابتدائی باتیں اپنی سہولت اور طلبہ کے افادہ کے لئے نوٹ کر لی تھیں۔

اس زمانے میں اردو زبان میں نصابی کتابوں کی شروحات کا اتار و اراج بھی نہیں تھا جو بعد میں ہوا اس لئے اس قسم کی چیزیں کمیاب ہونے کی وجہ سے یہ تحریر طلبہ میں بہت مقبول ہوئی۔ بہت سوں نے اس کو نقل کیا۔ اس کے بعد تو بجز اللہ اردو زبان میں نصابی کتابوں اور درسی شروحات پر بہت کام ہوا اور اچھے اچھے شاہکار وجود میں آئے، جن کے سامنے میری اس تحریر کی کوئی حیثیت و وقعت نہیں تھی، پھر بھی محبت رکھنے والوں کا اصرار ہوا کہ آجکل جب اس طرح کی چیزیں طباعت کی شکل اختیار کر رہی ہیں آپ بھی اس کو چھپوائیں! لیکن میں ہمیشہ انکار کرتا رہا۔

بالآخر عزیز گرامی قدر مولانا مفتی محمود بارڈولی صاحب نے بہ اصرار وہ کاپی مجھ سے وصول کر لی اور اپنے طور پر اس کی طباعت کا انتظام کر لیا، جب وہ چھپ کر آئی اس کے ایک زمانہ بعد میری نظر سے گذری میں نے جب دیکھا تو اس میں مختلف حیثیتوں سے نقص اور سقم محسوس ہوا اور طباعت کی غلطیوں نے اس کو ”ضغث علی ابالہ“ کا مصداق بنا دیا، پھر بھی محبت کرنے والے اس کو شوق و رغبت سے

لیتے رہے، یہ ان کی محبت اور نکتہ نوازی کی بات تھی۔

ایک زمانے کے بعد عزیز مکرم مولانا مرغوب احمد لاچپوری صاحب نے احقر کے سامنے اپنے اس ارادے کا اظہار کیا کہ اگر اجازت ہو تو میں اس پر حاشیہ تحریر کروں، چنانچہ ان کے شوق اور دلولے کو دیکھتے ہوئے اور اس لالچ میں کہ پہلی طباعت میں جو کمزوریاں رہ گئی تھیں وہ دور ہو جائیں گی ان کو اجازت دے دی، چنانچہ عزیز محترم نے چند ہی دنوں میں یہ کام مکمل کر کے مسودہ میرے پاس بھیج دیا تاکہ نظر ثانی ہو جائے، لیکن میں اپنی کاہلی و سستی اور کچھ مصروفیات کی وجہ سے اس پر جلد نظر ثانی نہ کر سکا۔

ایک صاحب نے اپنے ایک مضمون کا مسودہ برائے ملاحظہ ارسال فرمایا تھا اس کو دیکھ رہا تھا اس دوران مجھے یہ مسودہ یاد آ گیا اور اب تک اس پر نظر ثانی نہ کر کے عزیز موصوف کے ساتھ جو بے اعتنائی ہوئی اس پر ندامت کا احساس ہوا، چنانچہ دوسرے ہی روز مسودہ ہاتھ میں لے کر نظر ثانی کا کام مکمل کر لیا۔

عزیز موصوف نے احقر کے ساتھ محبت و تعلق کی بنیاد پر اس کتاب کے ساتھ جو اعتناء فرمایا اس پر دل سے ممنون ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان کے علم و عمل میں برکت فرما کر تالیف و تصنیف کی مقبول خدمات کے لئے ان کو بے انتہا قبول فرمائے، آمین۔

املاء: العبد احمد خانپوری

۱۴/۱۲/۱۳۴۳ھ



مقدمہ علم حدیث

ہر علم و فن کے شروع کرنے سے پہلے چند امور بطور مبادیٰ و مقدمہ کے بیان کئے جاتے ہیں، جن کی وجہ سے اس علم و فن کی تحصیل میں طالب علم کے لئے سہولت پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ امور کل آٹھ ہیں، جن کو حکماء و مناظر کی اصطلاح میں رؤس ثمانیہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ وہ آٹھ امور یہ ہیں:

①..... علم کی تعریف۔

②..... موضوع۔

③..... غرض و غایت۔

④..... سمت، یعنی وجہ تسمیہ۔

⑤..... مؤلف۔

⑥..... اجناس۔

⑦..... مرتبہ۔

⑧..... تقسیم و تبویب۔

لیکن ہم مسلمانوں کیلئے ایک نواں امر بھی جاننا ضروری ہے اور وہ ہے اس کا شرعی حکم اور شریعت کے اعتبار سے اس کا مرتبہ کیا ہے، آیا سنت ہے یا واجب؟ حلال ہے یا حرام؟ جائز ہے یا ناجائز؟ وغیرہ، مثلاً علم سحر حرام ہے اور علم قرآن و حدیث واجب ہے۔

لَهُ الْمُبَادِي هِيَ الْأَشْيَاءُ الَّتِي يَبْتَنِي عَلَيْهَا الْعِلْمُ، (مقدمة اعلاء السنن: ۲/۱۹)
لَهُ مَقْدَمَةٌ مِنْ قَدَمٍ بِمَعْنَى تَقْدِيمِ وَهِيَ مَاخُودَةٌ مِنْ مَقْدَمَةِ الْجَيْشِ، وَهِيَ نَوْعَانِ، مَقْدَمَةُ الْعِلْمِ وَمَقْدَمَةُ الْكِتَابِ، (المرآت للشمس كوتبي ص ۷)
لَهُ أَعْلَمُ أَنَّ الْقُدَمَاءَ كَانُوا يَذْكُرُونَ فِي مَبَادِي الْكُتُبِ أَشْيَاءَ ثَمَانِيَةً وَيُسَمُّونَهَا الرُّؤْسَ الثَّمَانِيَةَ، (مرقاة ص ۶۲)

تعریف کا مقصد

تعریف کا مقصد اجمالی تعارف ہے، اگر کسی چیز کی تعریف نہ کی جائے تو وہ مجہول رہ جاتی ہے اور مجہول چیز کا حصول عقلاً محال ہے، اس لئے تعریف کے ذریعہ فن کو جہالت سے نکالنا مقصود ہوتا ہے۔

امراؤل علم حدیث کی تعریف

پہلے زمانے میں محدثین کا دستور یہ تھا کہ احادیث کیف ما اتفق اور بلا کسی خاص ترتیب کے لکھا کرتے تھے، زیادہ سے زیادہ یہ کر لیا کہ اگر کوئی لفظ محتاج تفسیر و قابل تشریح ہوتا تو اس کو حاشیہ پر تحریر کر دیا کرتے تھے، اس کے بعد جب متاخرین کا دور دورہ ہوا تو انہوں نے اس کو مہذب بنایا۔ رُوَاة کی چھان بین فرمائی، ضعیف رُوَاة کو ثقہ رُوَاة سے ممتاز فرمایا، اسی وجہ سے علم حدیث کی تعریف میں فرق و اختلاف ہو گیا، چنانچہ:

①..... متقدمین میں سے بعض نے کہا کہ: علم حدیث ان قوانین کا نام ہے جن سے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، احوال و افعال کی صحت و سقم معلوم ہو۔

علامہ زرقانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”شرح بیقونیہ“ میں علم حدیث کی تعریف اس طرح کی ہے:

”إِنَّ عِلْمَ الْحَدِيثِ عِلْمٌ بِقَوَائِنَ، أَيْ قَوَاعِدُ يُعْرَفُ بِهَا
أَحْوَالُ السَّنَدِ وَالْمَتْنِ مِنْ صِحَّةٍ وَحُسْنٍ“^۱

علم حدیث ایسے قوانین کے جاننے کا نام ہے کہ ان سے سند و متن کے احوال یعنی صحت و سقم معلوم ہوں۔

۱۔ تدریب الراوی: ۲۲/۱۔

یہی تعریف علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسالہ ”الفیہ“ میں کی ہے:

عِلْمُ الْحَدِيثِ ذُو قَوَائِنَ تُحَدُّ
يُذَرُّ بِهَا أَحْوَالُ مَتْنٍ وَ سَنَدٍ^۲

لیکن یہ تعریف اب مطلق علم حدیث کی نہ رہی، بلکہ اب یہ تعریف بھی ایک مستقل علم کی تعریف ہو گئی اور ایک مستقل اصطلاح بن گئی، جس کا نام اصول حدیث ہے۔

②..... دوسری تعریف یہ کی گئی ہے کہ: علم حدیث وہ علم ہے جس سے روایت کا درجہ معلوم ہو جائے، لیکن اب یہ تعریف بھی علم حدیث کی تعریف نہیں کہلائے گی، بلکہ یہ ایک مستقل علم ہے جس کو علم علل حدیث کہا جاتا ہے۔

③..... تیسری تعریف یہ کی گئی ہے کہ: علم حدیث وہ علم ہے جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال و احوال کی شرح معلوم ہو، لیکن اب یہ تعریف درایت حدیث کی کہلاتی ہے مطلق علم حدیث کی نہیں، چونکہ علم حدیث کی ساٹھ انواع ہو چکی ہیں، اس لئے ہر ایک کی تعریف الگ ہوگی۔ روایت حدیث اور ہے درایت حدیث اور، اسی طرح اصول حدیث اور ہے علل حدیث اور، اسی طرح اس کے علاوہ بھی کئی اقسام ہیں۔ اور یہ جو آپ پڑھیں گے وہ علم حدیث کی ساری انواع نہیں ہیں، بلکہ یہ صرف علم روایت حدیث ہے، جس کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ:

علم روایت حدیث کی تعریف

وہ علم ہے جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال اور احوال معلوم

۱۔ مقدمہ اوجز: ۲/۱۔

۲۔ تدریب الراوی: ”علم حدیث ایسے قوانین ہوتے ہیں جن سے متن و سند کے احوال معلوم ہوتے ہیں۔“

۳۔ اصول حدیث کی ایک بہترین تعریف وہ ہے جو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے کی ہے:

”مَعْرِفَةُ الْقَوَاعِدِ الْمَعْرِفَةُ بِحَالِ الرَّاويِّ وَالْمَرْوِيِّ“ (تدریب: ۴۷/۱)

ہو جائیں:

”عِلْمٌ يُعْرَفُ بِهِ أَقْوَالُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَأَفْعَالُهُ وَأَحْوَالُهُ“^۱

ایک اشکال اور اس کے تین جواب

اب یہاں پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ اقوال و افعال صحابہ و تابعین پر بھی تو حدیث کا اطلاق ہوتا ہے، چنانچہ ”مُصَنَّفُ ابْنِ أَبِي شَيْبَةَ“ اور ”مُصَنَّفُ عَبْدِ الرَّزَّاقِ“ میں احادیث مرفوعہ کے مقابلہ میں صحابہ و تابعین کے اقوال، و افعال وغیرہ زیادہ ہیں، باوجود اس کے ان کتب کو بھی احادیث کے ذخیرہ میں شامل کیا جاتا ہے۔ (اس اشکال کے کئی جوابات ہیں):

جواب اول: صحابہ و تابعین کے اقوال و افعال و آثار و احوال سے خالی نہیں، یا تو وہ مدرک بالقیاس ہوں گے، یا غیر مدرک بالقیاس، اگر غیر مدرک بالقیاس ہیں تو وہ احادیث مرفوعہ ہی کے حکم میں ہیں اور جو حیثیت و مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کو ہے وہی ان کو بھی ہو گا اور اگر وہ مدرک بالقیاس ہوں تو ان کو احادیث مرفوعہ اور اقوال شریفہ پر پرکھا جائے۔

جواب دوم: بعض حضرات نے اس اعتراض کا جواب یہ دیا کہ صحابہ و تابعین کے جو اقوال وغیرہ احادیث کے موجودہ ذخیرہ میں پائے جاتے ہیں وہ صرف اس وجہ سے ملتے ہیں کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی ہیں تو گویا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہونے کی وجہ سے جب ان کے اقوال مذکور ہیں، ہاں جن

^۱ عمدة القاری: ۱۱/۱، والکرمانی: ۱۲/۱.

^۲ غیر مدرک بالقیاس ہوں تو بر بنائے حسن ظن یہ تصور کیا جائے گا کہ صحابہ کرام اور تابعین نے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے حاصل کیا ہے، اگرچہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت نہیں کی۔

کتابوں میں احادیث مرفوعہ کم ہیں اور زیادہ تر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اقوال و افعال شامل ہیں اس کا نام حدیث ہے ہی نہیں، بلکہ اس کا نام محدثین کے نزدیک علم الآثار ہے۔

جواب سوم: اور بعض لوگوں نے اس اشکال سے بچنے کے لئے سرے سے تعریف ہی بدل دی اور اس طرح تعریف کی کہ: علم حدیث وہ علم ہے جس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال و احوال اور صحابہ و تابعین کے اقوال، افعال اور احوال معلوم ہوں، چنانچہ ”فتح الباقی شرح الفیہ العراقی“ میں ہے:

قَالَ شَيْخُ الْإِسْلَامِ:

”الْحَدِيثُ وَ يُرَادُ بِهِ الْخَبْرُ عَلَى الصَّحِيحِ مَا أُضِيفَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِيلَ أَوْ إِلَى صَحَابِيٍّ أَوْ إِلَى مَنْ دُونَهُمْ قَوْلًا أَوْ فِعْلًا أَوْ تَقْرِيرًا أَوْ صِفَةً، وَيُعْبَرُ عَنْ هَذَا بِعِلْمِ الْحَدِيثِ وَيُحَدُّ بِأَنَّهُ عِلْمٌ يَشْتَمِلُ عَلَى نَقْلِ ذَلِكَ وَقَالَ الْأَجْهَوْرِيُّ فِي ”حَاشِيَتِهِ عَلَى شَرْحِ الْبَيْهَقُونِيَّةِ“ وَعِلْمُ الْحَدِيثِ أَيُّ رَوَايَةٍ“^۱

موضوع کا مقصد

①..... موضوع کے ذریعہ سے فنون کا آپس میں امتیاز ہوتا ہے۔

②..... فن کی شرافت و عظمت موضوع کے ذریعہ ہوتی ہے، اس لئے موضوع جتنا اونچا ہوگا فن بھی اتنا ہی اونچا ہوتا ہے۔

امریثانی موضوع

عام طور پر علماء نے حدیث کا موضوع آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک کو

لہ او جز: ۳/۱. ^۱ وَالْمَوْضُوعُ: مَا يُنْحَتُ فِي ذَلِكَ الْعِلْمِ عَنْ اغْرَاضِهِ الدَّائِمَةِ، (اعلاء السنن ص ۱۹/۲۲)

لکھا ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بابرکت ذات سے ہی اس فن میں بحث کی جاتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اٹھنا، بیٹھنا، سونا، جاگنا، کھانا، پینا یہ سب امور کیسے اور کس طریقہ سے ہوتے تھے۔

لیکن جلیل القدر محقق علامہ محی الدین کا رحمۃ اللہ تعالیٰ کا اس پر یہ اعتراض ہے کہ آدمی کی ذات تو علم طب کا موضوع ہے، لہذا حدیث کے موضوع کے ساتھ طب کا موضوع کیسے خلط ہو گیا؟ یہ اعتراض اگرچہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ اہمیت اس لئے نہیں رکھتا کہ علم طب کا موضوع بدن انسان ہے جو عام ہے اور حدیث کا موضوع ذات رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے جو اس کا ایک فرد ہے۔

لیکن علماء نے اس کا جواب یہ دیا کہ یہاں حیثیت کی قید محذوف ہے، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک علم حدیث کا موضوع ہے اس حیثیت سے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ اس توجیہ سے دونوں علوم کے موضوع میں تمایز ہو گیا:

”قَالَ السَّيُوطِيُّ: وَلَمْ يَزَلْ شَيْخُنَا الْعَلَّامَةُ مُحْيِي الدِّينِ الْكَافِيحِيُّ يَتَعَجَّبُ مِنْ قَوْلِهِ: أَنَّ مَوْضُوعَ عِلْمِ الْحَدِيثِ ذَاتُ الرَّسُولِ وَيَقُولُ هَذَا مَوْضُوعُ الطَّبِّ لَا مَوْضُوعَ الْحَدِيثِ، وَأَنَا أَتَعَجَّبُ مِنَ الْكَافِيحِيِّ كَيْفَ التَّبَسَّ عَلَيْهِ ذَلِكَ بِالطَّبِّ، فَإِنَّ ذَاتَهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ حَيْثُ أَنَّهُ نَبِيٌّ أَوْ رَسُولُ اللَّهِ لَا مَدْخَلَ لِلطَّبِّ فِي ذَلِكَ، نَعَمْ لَوْ تَعَجَّبَ مِنْ أَنَّ هَذَا مَوْضُوعٌ لِمُطْلَقِ عِلْمِ الْحَدِيثِ الْجَامِعِ لِأَنْوَاعِهِ كَانَ وَجِبْهًا، أَمَا الْمَخْصُوصُ بِعِلْمِ

لہ الکرمانی: ۱۲/۱.

لہ الْكَافِيحِيُّ، بِكَسْرِ الْفَاءِ نِسْبَةً إِلَى كَافِيَةِ ابْنِ الْحَاجِبِ لِكَثْرَةِ قِرَاءَتِهِ وَاقْرَأْتِهِ لَهَا، (حاشیہ تدریب الراوی: ۲۲/۱) لہ تدریب الراوی: ۲۲/۱.

الرَّوَايَةِ فَيَكُونُ مَوْضُوعَهُ أَيْضًا مَخْصُوصًا، فَقِيلَ مَوْضُوعَهُ ذَاتُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ حَيْثُ أَقْوَالِهِ وَأَفْعَالِهِ وَتَقْرِيرَاتِهِ وَأَوْصَافِهِ كَذَا فِي الدَّرَرِ، وَالْأَوْجَهُ عِنْدِي أَنَّ مَوْضُوعَهُ الْمَرْوِيَّاتُ وَالرَّوَايَاتُ مِنْ حَيْثُ الْإِتِّصَالُ وَالْإِنْقِطَاعُ، وَأَمَّا ذَاتُهُ الشَّرِيفَةُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَوْضُوعٌ لِمُطْلَقِ عِلْمِ الْحَدِيثِ دُونَ النَّوْعِ الْخَاصِّ مِنْهُ وَهُوَ عِلْمُ رَوَايَةِ الْحَدِيثِ“^{لہ}

اس مقام پر دوسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ جس طرح حدیث کی تعریف میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اقوال و افعال شامل ہیں اور ان سے بحث کی جاتی ہے، ایسے ہی موضوع کے اندر بھی یہ اقوال و افعال شامل ہونے چاہئیں۔

بعض محدثین نے اس اعتراض کی وجہ سے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اقوال و افعال کو بھی موضوع میں شامل کر لیا اور بعض دوسرے محدثین نے یہ جواب دیا کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اقوال و افعال سے جو بحث کی جاتی ہے وہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہونے کی نسبت سے کی جاتی ہے تو گویا اس نسبت نبوی کی وجہ سے ان حضرات کے اقوال بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات شریفہ میں سے ہو گئے۔

اسی قسم کا اعتراض پہلی بحث میں تعریف پر بھی آچکا ہے۔ بس اتنا فرق ہے کہ جو محدثین موضوع کی تبدیلی کے قائل ہیں ان کی تعداد کم ہے اور وہاں جن محدثین نے اعتراض سے بچنے کے لئے تعریف میں رد و بدل کر دیا ان کی جمعیت زیادہ ہے۔

غرض و غایت سے مقصود

انسان غرض کا بندہ ہے جب تک ثمرہ معلوم نہ ہو وہاں تک دلچسپی نہیں لیتا۔

لہ مقدمہ، اوجز ص ۷، الفائدة الثانية: فی موضوعه.

امر ثالث غرض و غایت

غرض کہتے ہیں اس مقصد اور نتیجہ کو جس کے حاصل کرنے کے لئے کوئی فعل کیا جائے، مثلاً بازار جا کر کوئی چیز خریدنا اور غایت وہ نتیجہ ہے جو اس پر مرتب ہو، لہذا بازار کسی شئی کو خریدنے کے لئے جانا تو غرض ہے اور اس شئی کا خریدنا غایت ہے۔

تو غرض و غایت دونوں مصداق کے اعتبار سے ایک ہیں صرف ابتدا اور انتہا کا فرق ہے، چنانچہ عقلاء اور سمجھدار لوگوں کے نزدیک غرض و غایت ایک ہی ہے، کیونکہ ان کے یہاں اکثر غرض پر غایت مرتب ہوتی ہے، بخلاف بیوقوفوں و احمقوں کے کہ ان کے یہاں غرض پر غایت بہت کم مرتب ہوتی ہے، مثلاً دہلی جانا یہ تمہاری غرض ہے تو اگر تم ہوشیار ہو تو اسی سڑک سے جاؤ گے جو دہلی جاتی ہے، اس صورت میں یقیناً دہلی پہنچ جاؤ گے اور اگر بیوقوفی کی وجہ سے بجائے دہلی کی سڑک اختیار کرنے کے بمبئی کی طرف نکل پڑے تو غرض (دہلی جانا) تو موجود ہے لیکن راستہ غلط اختیار کرنے کی وجہ سے غایت مرتب نہ ہوگی۔

روایت حدیث، پہلی غرض

اب علم حدیث کی غرض و غایت کیا ہے؟ علمائے اہل فن فرماتے ہیں کہ علم حدیث کی غرض وہ دعائیں اور فضیلتیں حاصل کرنا ہے جو حدیث پڑھنے پڑھانے والوں کیلئے احادیث میں وارد ہوئی ہیں، مثلاً حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

”نَصَرَ اللَّهُ عَبْدًا سَمِعَ مَقَالَتِي فَحَفِظَهَا وَوَعَاَهَا وَأَدَّأَهَا قُرْبٌ حَامِلٍ فِيهِ غَيْرُ فِقِيهِ وَرُبَّ حَامِلٍ فِيهِ إِلَى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ“^۱

اس قسم کی اور سینکڑوں دعائیں مذکور ہیں، لیکن اس جملہ میں علماء کا اختلاف

۱۔ مشکوٰۃ، کتاب العلم، الفصل الثانی: ص ۳۵۔

ہو رہا ہے کہ یہ جملہ دعائیہ ہے یا خبریہ؟ کوئی بھی ہو دونوں ایک سے ایک بڑھ کر ہے، اگر دعائیہ ہے تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا کیا پوچھنا، سرتاپا خیر ہی خیر ہے اور اگر جملہ خبریہ ہے تو اشکال ہوگا کہ ہم بہت سے لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ حدیث پاک کی خدمت میں مشغول ہیں لیکن اس کے باوجود وہ ہمیشہ پڑمردہ اور غمزدہ رہتے ہیں، لہذا یہ خبر اس پر کہاں صادق آئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جو لوگ ظاہر میں ہیں اور آخرت سے بے بہرہ ہیں ان کے نزدیک تو فقر و فاقہ بربادی اور مشکلات کا سبب ہے، لیکن فقر و فاقہ حقیقت میں بربادی کا سبب نہیں، ورنہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فقر و فاقہ کو اپنے ارادہ سے کیوں اختیار فرماتے۔ جو لوگ اس میں مبتلا ہیں وہی اس کی لذت جانتے ہیں۔

اس کے علاوہ اور بھی احادیث ہیں، مثلاً ایک حدیث میں ہے:

”اَللّٰهُمَّ اَرْحَمُ خُلُقَانِيْ قَبْلَ وَمَنْ خُلُقَانِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ،
قَالَ الَّذِيْنَ يَرُوْنُ اَحَادِيْثِيْ وَيَعْلَمُوْنَهَا النَّاسُ“^۲

۱۔ مرقاة المفاتیح: ۲۸۸/۱۔

۲۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَرَضَ عَلَيَّ رَبِّيْ لِيَجْعَلَ لِيْ بَطْحَاةَ مَكَّةَ ذَهَبًا فَقُلْتُ لَا يَا رَبِّيْ وَلَكِنْ اَشْبَعُ يَوْمًا وَاَجْرُعُ يَوْمًا الْخ، (مشکوٰۃ، کتاب الرقاق، الفصل الثانی)

۳۔ اس روایت کو طبرانی نے ”اوسط“ میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا ہے۔

(مجمع الزوائد، کتاب العلم، باب فضل العلماء و مجالسهم، ص ۱۲۶ ج ۱)
وَاَخْرَجَهُ أَبُو نُعَيْمٍ اَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْحَافِظُ مِنْ طَرِيْقِ الطَّلْحِيِّ، هَذَا فِيْ اَخْبَارِ اَصْبَهَانَ ۸۱/۱ وَالغزالي في الاخياء ۱۱/۱، وَالسُّبُوْطِيُّ فِيْ مِفْتَاحِ الْجَنَّةِ)

علامہ سیوطی نے جامع صغیر میں ان الفاظ سے یہ روایت نقل کی ہے:

”اَللّٰهُمَّ اَرْحَمُ خُلُقَانِيْ، الَّذِيْنَ يَأْتُوْنَ مِنْ بَعْدِيْ، الَّذِيْنَ يَرُوْنُ اَحَادِيْثِيْ وَ سُنَّتِيْ وَيَعْلَمُوْنَهَا النَّاسُ“ (فيض القدير: ۱۸۸/۲ رقم الحدیث ۱۵۴۴)

اس حدیث کو بعض محدثین نے ضعیف بلکہ بعض نے موضوع قرار دیا ہے، لیکن قاضی عیاض رحمہ

اس حدیث پاک میں بھی حدیث سے شغف رکھنے والوں کو اپنا نائب اور خلیفہ قرار دیا۔^۱

قابل غور بات

غور کرو اگر کسی چھوٹے سے شیخ کی خلافت کسی کو مل جائے تو کتنی خوشی اور عتقا شور ہوتا ہے اور کتنی بڑی بات سمجھی جاتی ہے اور یہاں تو سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت مل رہی ہے۔^۲

محدثین کو خلفاء کیوں فرمایا

حدیث مذکور میں حضرات محدثین کو خلفاء اس لئے فرمایا کہ مسلمانوں تک بطور خیر خواہی سنتوں کو پہنچانا انبیاء علیہم السلام کا منصب ہے تو جو آدمی اس خدمت کو انجام دے گا گویا کہ وہ ان کا نائب ہے۔

محدثین کی ایک اور فضیلت

ایک اور حدیث میں وارد ہے:

”إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِبِيَوْمِ الْقِيَامَةِ أَكْثَرُهُمْ عَلَيَّ صَلَوةً“^۳

اللہ تعالیٰ نے ”الْأَلَمَاعُ إِلَى مَعْرِفَةِ أُصُولِ الرِّوَايَةِ وَتَفْيِيدِ السَّمَاعِ“ میں ”بَابٌ فِي شَرْفِ عِلْمِ الْحَدِيثِ وَتَشْرِفِ أَهْلِهِ“ (ص ۱۷۱) کے تحت اس حدیث کو بہت ہی اسانید سے روایت کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث بے اصل نہیں ہے۔

۱۔ محدثین نے اس بشارت میں فقہاء کو بھی شامل فرمایا ہے۔ علامہ مناوی رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث کی تشریح میں لفظ ”سنن“ پر کلام فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

”وَقَدْ يُقَالُ أَرَادَ بِهَا هُنَا الطَّرِيقَةَ الْمَسْلُوكَةَ فِي الدِّينِ وَإِنْ كَانَ مِنْ كَلَامِ التَّابِعِينَ فَمِنْ بَعْدِهِمْ مِنَ الْمُجْتَهِدِينَ فَيَدْخُلُ فِيهِ الْفُقَهَاءُ، (فيض القدين: ۲/۱۸۸)

۲۔ وَهَذِهِ مَنْقَبَةٌ لِأَهْلِ الْحَدِيثِ الْعَالَمِينَ الْعَامِلِينَ أَعْظَمُ بِهَا مِنْ مَنْقَبَةِ، (حوالہ بالا)

۳۔ سَنَنِ تَرْمِذِي، أَبْوَابُ الْوُثْرِ، بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الصَّلَاةِ عَلَيَّ النَّبِيِّ صَلَّى

یعنی قیامت کے دن مجھ سے سب سے زیادہ قریب وہ لوگ ہوں گے جو مجھ پر سب سے زیادہ درود بھیجتے ہیں۔ ابن حبان اپنی صحیح میں فرماتے ہیں کہ: اس حدیث کا مصداق محدثین حضرات ہیں، اس لئے کہ اس امت میں کوئی جماعت ان سے بڑھ کر درود بھیجنے والی نہیں ہے۔ اس کے علاوہ اور بہت سی روایتیں ہیں جو ”مشکوٰۃ“ میں آپ پڑھیں گے۔

دوسری غرض

علماء نے علم حدیث کی دوسری غرض یہ بیان فرمائی ہے کہ دین کا مدار علم حدیث پر ہے، کیونکہ اصل دین یعنی قرآن پاک تو مجمل ہے اس کی تبيين اور توضیح کی ضرورت ہے اور وہ احادیث سے ہو سکتی ہے۔ قرآن پاک میں نماز اور زکوٰۃ کا حکم تو ہے، لیکن ان کی رکعات و مقدار وغیرہ کچھ نہیں، یہ سب احادیث سے ثابت ہیں، اس لئے یہ غرض بھی سب سے اہم ہے، کیونکہ قرآن پاک اصل دین اور مدار شریعت ہے اور اس کی شرح حدیث پاک ہے تو بغیر شرح کے متن کیسے سمجھا جا سکتا ہے۔ اس اعتبار سے حدیث کا پڑھنا اہم ہو گیا۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا مقولہ ہے:

”لَوْلَا السُّنَّةُ لَمَا فَهِمَ الْقُرْآنَ أَحَدٌ مِنَّا“^۴

تیسری غرض

حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے بتلائی کہ:

اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (۱۱۰/۱) مشکوٰۃ، بَابُ الصَّلَاةِ عَلَيَّ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفَضْلِهَا، الْفَضْلُ الثَّانِي.

۱۔ قَالَ ابْنُ حِبَّانٍ عَقِبَ هَذَا الْحَدِيثِ فِي هَذَا لِحَبَرِ بَيَانِ صَحِيحِ عَلَيَّ أَنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْقِيَامَةِ يَكُونُ أَصْحَابُ الْحَدِيثِ

إِذْ لَيْسَ فِي هَذِهِ الْأُمَّةِ قَوْمٌ أَكْثَرُ صَلَوةً مِنْهُمْ، (مرقاة: ۲/۳۴۰)

۲۔ الميزان الكبرى للشعراني، ص ۵۲.

اگر علم حدیث پڑھنے پڑھانے سے خواہ کوئی فائدہ نہ ہو اور خواہ کوئی بھی ثواب نہ ملے تب بھی اس کے پڑھنے کے لئے ایک غرض یہ کافی ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے۔ ہم محبت رسول ہیں اور آپ سے سچی محبت کے دعویدار ہیں، لہذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو محض اس لئے پڑھنا چاہئے کہ ایک محبوب کا کلام ہے اور جب اس کو محبت کے ساتھ پڑھا جائے گا تو ایک قسم کی لذت، حلاوت، رغبت پیدا ہوگی، جیسے اگر کوئی عشق میں پھنسا ہوا ہو اور اس کے معشوق کا خط آجائے تو اگر وہ حدیث پاک کے سبق میں بھی ہوگا تو اسی کو پہلے پڑھے گا اور کھانے کے درمیان آجائے تو کھانا بند کر دے گا اور نماز کے اوقات میں جب ہی پر نظر رہے گی، جب اس ناپاک کے خط کو پڑھنے کا اتنا شوق و ذوق ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام تو اس سے بدرجہا قابل صد احترام ہے۔

چوتھی غرض

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے کہ: غور و فکر کیا جائے اور گہری نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہر علم کی ایک خاصیت ہوتی ہے اور اس علم سے وابستگی کی وجہ سے نفس انسانی میں ایک خاص کیفیت خواہ بری ہو یا بھلی پیدا ہو جاتی ہے۔

علم حدیث سے وابستگی اور مزاولت انسان میں صحابیت کی شان پیدا کر دیتی ہے، کیونکہ صحابیت کے معنی دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ احوال سے واقفیت اور عبادات و عادات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوضاع و اطوار کا مشاہدہ کرنے کے ہیں اور یہ بات امتداد زمانہ کی وجہ سے اس شخص کی قوت مدرکہ اور تخیل میں جو اس سے وابستگی رکھتا ہے ایسی جم جاتی ہے اور راسخ ہو جاتی ہے کہ مشاہدہ کے

۱۔ تقریر بخاری: ۷/۱۔

۲۔ عجالہ نافعہ: ص ۳۔

علم میں ہوتی ہے، چنانچہ حسب ذیل شعر میں اس طرف اشارہ ہے۔
 أَهْلُ الْحَدِيثِ هُمْ أَهْلُ النَّبِيِّ وَإِنْ
 لَمْ يَصْحَبُوا نَفْسَهُ وَأَنْفَاسَهُ صَحَبُوا
 یعنی محدثین ہی اہل نبی ہیں اور انہیں گورسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت حاصل نہیں مگر آپ کے انفاس قدسیہ کے ساتھ شرف صحبت حاصل ہے۔
 یہاں تک تم کو تین امور معلوم ہو گئے۔ علم حدیث کی تعریف جس کا خلاصہ تدبر ہے اور علم حدیث کا موضوع جس کا خلاصہ عظمت ہے اور علم حدیث کی غرض و غایت جس کا خلاصہ لذت ہے، تو جب تم حدیث پاک کو تدبر، عظمت اور لذت کے ساتھ پڑھو گے تو اس پر غایت مرتب ہوگی اور اگر توجہ اور التفات سے نہ پڑھو گے تو محرومی ہے۔ (العیاذ باللہ)

امر رابع وجہ تسمیہ

اس علم کا نام علم حدیث ہے اور اس کی وجہ تسمیہ میں دو قول ہیں:
 اول یہ کہ حدیث! حادث کے معنی میں ہے اور اس معنی کے لحاظ سے اس علم کو حدیث اس وجہ سے کہتے ہیں کہ علم کی دو ہی قسمیں ہیں: ایک قدیم وہ تو قرآن ہے اور اللہ کا کلام ہے، جو اس کی صفت ہے اور جب ذات باری تعالیٰ قدیم ہے تو اس کی صفت بھی قدیم ہوگی۔

دوسری قسم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے، لامحالہ یہ حادث ہوگا، اس لئے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم حادث ہیں، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت بھی حادث

سَلَامٌ وَأَمَّا الْحَدِيثُ فَأَصْلُهُ: صِدْقُ الْقَدِيمِ، وَقَالَ شَيْخُ الْإِسْلَامِ ابْنُ حَجَرٍ فِي شَرْحِ
 الْبُخَارِيِّ: الْمُرَادُ بِالْحَدِيثِ فِي عَرَفِ الشَّرْعِ "مَا يُضَافُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
 وَسَلَّمَ" وَكَأَنَّهُ أُدِينُ بِهِ مَقَابَلَةَ الْقُرْآنِ لِأَنَّهُ قَدِيمٌ، (تدريب الراوي: ۲۳/۱)

ہوگی۔ ان کے علاوہ اور کوئی علم ہے ہی نہیں۔

اب یہاں پر کوئی یہ اشکال کر سکتا ہے کہ حنفیہ کے یہاں تو فقہ بہت اونچا سمجھا جاتا ہے جو بظاہر ان دونوں علوم سے الگ تھلگ ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ فقہ قرآن و حدیث سے الگ کوئی چیز نہیں، بلکہ یہ درایت حدیث ہے کہ ہر ایک مجتہد نے مختلف احادیث کے مجموعہ سے کوئی حدیث لے کر اس کی سند حذف کر کے لکھ دیا کہ یہ معمول بہا ہونا چاہیے۔ دوسرے مجتہد نے دوسری حدیث کو راجح سمجھ کر اس کو معمول بہا بنا دیا۔ تو درحقیقت فقہ قرآن و حدیث سے الگ چیز نہیں ہوئی۔

جو لوگ احناف پر اعتراض کرتے ہیں وہ یا تو لاعلمی کی وجہ سے کرتے ہیں یا تجاہل عارفانہ برتتے ہیں۔ علم فقہ قرآن و حدیث کے معارض و منافی نہیں بلکہ علم فقہ ان دونوں کا خلاصہ ہے۔ فقہاء نے غور و فکر کر کے قرآن و حدیث کے مسائل کو آسانی کے واسطے ایک جگہ جمع کر دیا جس کا نام علم فقہ ہو گیا۔

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

”جَمِيعُ مَا تَقُولُهُ الْأُئِمَّةُ شَرْحٌ لِلسُّنَّةِ، وَجَمِيعُ تَقْوِيلِهِ السُّنَّةُ شَرْحٌ لِلْقُرْآنِ“^۱

اور فقہاء نے یہ سب کچھ اس لئے کیا کہ ایک عالم دین کو تو حدیث سے مسئلہ مل جائے گا، مگر عامی شخص کو نہیں ملے گا، جیسے حدیث میں بحالت صوم اپنی بیوی کا بوسہ لینے کی اجازت بھی ہے اور ممانعت بھی^۲۔ یہاں عامی کیا کر سکتا ہے اس کے سامنے تو

۱۔ تجاہل عارف: یہ علم بدیع کی محنات معنویہ کی ایک قسم ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ متکلم کو ایک وجہ معلوم ہے لیکن تعجب، تعریف، ذم، ڈانٹ یا انکار کے لئے اس وجہ سے ناواقفیت کا اظہار کر رہا ہے۔ (دیکھیے ”تحفة الطالباء“ ص ۲۰۴)

۲۔ مقدمة التعلیق الصبیح ۳/۸۔

۳۔ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْبَلُ فِي شَهْرِ الصَّوْمِ (ترمذی) وَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَبِيدِهِمْ فِي

مسائل کی شکل وہ ہونی چاہیے جس پر وہ عمل کر سکے، چنانچہ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ نے غور و فکر کر کے بتلایا کہ حدیث نہی جو ان کے لئے ہے اور حدیث اباحت بوڑھے کے لئے، کیونکہ جو ان بے قابو ہو سکتا ہے، مگر بوڑھا نہیں ہوگا۔

یہی حال علم تفسیر کا ہے کہ وہ بھی قرآن پاک کی شرح ہے۔ اسی طرح اصول فقہ مستقل کوئی فن نہیں، بلکہ اس میں فقہ کے دلائل مذکور ہیں۔

قرآن حدیث فقہ

حدیث شریف قرآن کی تفسیر ہے اور فقہ کا متن ہے گویا کہ حدیث شریف شرح بھی ہے اور متن بھی ہے۔ شرح اس طریقہ سے ہے کہ باری تعالیٰ نے دو باتوں کی ذمہ داری لی ہے:

﴿إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ﴿۱﴾ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ ﴿۲﴾﴾^۱

اس ذمہ داری سے معلوم ہوا کہ جب تک اللہ تعالیٰ نہ بتاتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی معلوم نہیں ہوتا اور اس کلام کی عظمت و جلالت پر باری تعالیٰ پردہ نہ ڈالتے تو تحمل کسی کے بس میں نہیں تھا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ کلام دوسرے عالم کا ہے۔ دنیا میں ملکوں کے بدلنے سے زبانیں بدلتی ہیں اور تلفظ دشوار ہو جاتا ہے اور یہ تو دوسرے عالم کا کلام ہے اس لئے آسانی کو ملحوظ رکھتے ہوئے حضرات انبیاء علیہم السلام کو وحی کے نزول سے قبل عالم

الْقُبْلَةِ لِلصَّائِمِ، فَرَخَّصَ بَعْضُ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْقُبْلَةِ لِلشَّيْخِ وَكَمْ يُوَخَّصُونَ لِلشَّابِ، (ترمذی، باب ماجاء فی القبلة للصائم: ۱۵۴/۸)

ابوداؤد شریف کی ایک روایت میں مباحثہ کے متعلق یہ صراحت آئی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو اجازت دی دوسرے کو منع فرمایا، جنہیں اجازت دی وہ بوڑھے تھے اور جنہیں منع فرمایا وہ

نوجوان تھے۔ (مشکوٰۃ، کتاب الصوم، باب تنزیہ الصوم، الفصل الثانی: ص ۱۷۶)

۱۔ سورۃ قیامت، آیت نمبر ۱۸۱، پ ۲۹۔

بالا سے تعلق کی مشق کروائی جاتی ہے، جیسے عالم بالا کے تصرفات سے خواب کا آنا، فرشتوں سے اُنسیت پیدا کرنے کے لئے روشنی کا نظر آنا وغیرہ۔

لہذا اس قرآن کا صحیح مصداق و معنی جب تک رسول نہ بتائے معلوم نہیں کر سکتے تھے، جیسے رکوہ و سجود کی کیفیت وغیرہ، لہذا قرآن کی تشریح فعل رسول سے ہوئی۔ معلوم ہوا قرآن و حدیث کا تعلق ایسا ہے جیسے جڑ اور تنا۔ قرآن جڑ ہے اور حدیث شریف تنا ہے اور اس تنے پر جو شاخیں اور پتے لگے ہوئے ہیں وہ فقہ ہیں۔ خلاصہ کلام یہ کہ قرآن کے بغیر حدیث اور حدیث کے بغیر فقہ بے بنیاد ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہ حال تھا کہ وہ حیثیت کو نہیں دیکھتے تھے، بلکہ عمل کی طرف متوجہ ہوتے تھے۔ بعد میں جب امت میں کابلی اور تعیش کا اضافہ ہوا تو فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے اعمال کی حیثیات مرتب کیں، مثلاً واجب، مستحب وغیرہ اور سیاق و سباق کو دیکھ کر جو قوانین تیار کئے اسی کو اصول فقہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

تقلید ائمہ کیوں؟

قرآن و حدیث جو کہ احکام کے لئے سرچشمہ ہیں۔ اس میں بعض وہ احکام ہیں جو بالکل واضح اور صریح ہیں ان میں کوئی تعارض اور اجمال نہیں، اس لئے ان مسائل میں اجتہاد کا سوال نہیں، البتہ بعض وہ ہیں جن میں اجمال و تعارض ادلہ ہے، جیسے قرآن کریم میں لفظ ”قروء“ استعمال ہوا ہے۔ اس کے لغت میں معنی حیض اور طہر دونوں ہیں، اب ایسے موقع پر انسان یا تو خود اپنی رائے اور ارادہ سے کوئی فیصلہ کر کے اس پر عمل کر لے یا یہ کہ اسلاف میں جس کے علم اور تفقہ پر اعتماد ہو ان کے فیصلے پر عمل کیا جاوے۔ پہلی صورت تو نہایت خطرناک اتباع ہوئی سے لبریز ہے۔

۱۔ علوم القرآن، ص ۳۸۔

۲۔ سورہ بقرہ، آیت نمبر ۲۲۸، پ ۲۔

اس میں گمراہی غالب ہے۔ البتہ دوسری صورت کہ اسلاف میں سے جس کا تقویٰ، علم، تفقہ ہم سے بہت آگے ہو اور دور رسالت سے قریب تر زمانہ جس نے پایا ہو ان کی پیروی کرنا۔ اس کو دوسرے لفظوں میں تقلید ائمہ سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ پر امن راستہ ہے، چونکہ ان اسلاف کا قوت حفظ، علم و فضل، روایات پر وسعت نظر، نزول قرآن کا زمانہ و ماحول، سنت کے ارشادات کا پس منظر اور کلام عرب کی صحیح واقفیت ہم سے کئی گنا زیادہ تھی، نیز حقائق و معارف کے انکشاف کے لئے جس تقویٰ کی ضرورت ہوتی ہے ان میں بطریقہ اتم تھا، اس لئے ان کے فیصلوں پر عمل ہی زیادہ مناسب ہے۔

دوسری وجہ تسمیہ

یہ بتلائی گئی ہے کہ حدیث کے معنی ”بات“ کے ہیں اور چونکہ یہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں ہیں اس لئے ان کو حدیث کہا جاتا ہے۔ اس پر یہ اشکال ہے کہ احادیث میں صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں کہاں ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال و احوال بھی مذکور ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال و افعال کو تعلیماً احادیث کہا جاتا ہے۔

تیسری وجہ تسمیہ

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مقدمہ ”فَتْحُ الْمُلْهِمِ“^۱ میں بتلائی ہے

علم حدیث کا یہ نام آیت کریمہ ﴿وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ﴾ سے ماخوذ ہے، اس لئے کہ سورہ نضحیٰ میں پہلے باری تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے بڑے اور اہم انعامات و احسانات شمار فرمائے، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یتیم

۱۔ فتح الملہم: ۱/۱۔

ہونے کے بعد آپ کو پناہ دینا اور فقیر ہونے کے بعد غنی کرنا اور ان شرائع و احکام سے (جن کا ادراک عقل خود نہیں کر سکتی) بے خبری کے بعد ان سے آگاہ و ہدایت یافتہ کرنا کما فی قولہ تعالیٰ:

﴿ مَا كُنْتُ تَذْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ ﴾ الخ^۱

پھر ان تین انعامات پر تین امور کو مرتب فرمایا یعنی ”نَهَىٰ عَنْ قَهْرِ الْيَتِيمِ، نَهَىٰ عَنْ نَهْرِ السَّائِلِ اور أَمَرَ بِتَحْدِيثِ النِّعْمَةِ“ اور ذوقِ سلیم یہ کہتا ہے کہ ترتیب بطریق لف و نشر مشوش ہے نہ بطریق لف و نشر مرتب، جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے۔ اب مطلب یہ ہوا کہ آپ یتیم، بے خبر اور فقیر تھے پس اللہ تعالیٰ نے آپ کو پناہ دی اور باخبر و ہدایت یافتہ فرمایا اور غنی کر دیا، اب کچھ بھی ہو آپ اپنے اوپر اللہ کے ان تین انعامات کو فراموش نہ فرمائیں اور اللہ تعالیٰ کی اقتداء کیجئے، پس آپ بھی یتیم پر مہربانی کیجئے اور مسائل پر ترس کھائیے، اس لئے کہ آپ یتیمی اور فقیری کا مزہ چکھ چکے ہیں اور قول باری تعالیٰ ﴿وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ﴾ وہ مقابلہ میں ہے ﴿وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ﴾ کے، یعنی اس بڑی نعمت (جو ہدایت بعد الضلالت ہے جس کے مقابلہ میں گویا کوئی نعمت نہیں) کا یہی حق ہے کہ آپ اس کو اللہ کے بندوں کے سامنے بیان فرمائیں اور اس کو ان میں پھیلائیں اور ان کی طرف جو بھیجا گیا وہ ان کے سامنے کھول کر واضح فرمائیں۔

اور ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال جن کو ہم حدیث سے تعبیر کرتے ہیں یہ سب اسی ہدایت کی توجیح و تحدیث و تمییز ہیں جس سے باری تعالیٰ نے آپ کو نوازا تھا۔

۱۔ سورۃ شوریٰ، آیت نمبر ۵۲، پارہ ۲۵

۲۔ فتح الملہم: ۱/۱

حدیث و خبر کے درمیان نسبت

اب یہاں پر ایک علمی بحث ہے وہ یہ کہ حدیث کے معنی کلام اور بات کے ہیں اور خبر کے معنی بھی بات کے ہیں تو آیا اب اس علم کو ”علم الاخبار“ کہا جاسکتا ہے یا نہیں؟

جواب یہ ہے کہ اس کو ”علم الاخبار“ کہا جاسکتا ہے، جیسے ”علم الحدیث“ بھی اس کا نام ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ خبر و حدیث میں کیا نسبت ہے؟ بعض محدثین کی رائے یہ ہے کہ دونوں مساوی ہیں اور بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ عموم و خصوص مطلق کی نسبت ہے حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ فرماتے ہیں:

احقر کے نزدیک صاف اور بے غبار بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کے لئے لفظ ”حدیث“ کو مخصوص کر لینا استعارۃ العام للخاص کی قبیل سے ہے اور اس استعارہ کے مأخذ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض ارشادات ہیں جن میں خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اقوال و افعال کے لئے لفظ ”حدیث“ استعمال فرمایا، چنانچہ ارشاد ہے:

”حَدِّثُوا عَنِّي وَلَا حَرَجَ“ (مسلم: ۴۱۴/۲، کتاب الزہد، باب التثبت فی الحدیث و حکم کتابہ الحدیث)

”اللَّهُمَّ ارْحَمْ خُلَفَائِي فَلَنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَمَنْ هُمْ خُلَفَاءُكَ؟ قَالَ الَّذِينَ يَأْتُونَ مِنْ بَعْدِي يَرَوْنَ أَحَادِيثِي وَيُعَلِّمُونَهَا النَّاسَ“ (دیکھئے حاشیہ: ص ۲۵)

”مَنْ حَفِظَ عَلَيَّ أُمَّتِي أَرْبَعِينَ حَدِيثًا“ الخ (مشکوٰۃ، کتاب العلم فی

الفصل الثالث، ص ۳۶)

”مَنْ حَدَّثَ عَنِّي بِحَدِيثٍ يُرَىٰ أَنَّهُ كَذَبٌ فَهُوَ أَحَدُ الْكَاذِبِينَ“ (مسلم)

”اتَّقُوا الْحَدِيثَ عَنِّي إِلَّا مَا عَلِمْتُمْ فَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَّبِعُوا مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ“ (مشکوٰۃ، فی الفصل الثانی من کتاب العلم)

بہر حال ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کے لئے لفظ ”حدیث“ کا استعمال زمانہ مابعد کی اصطلاح نہیں ہے، بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، لہذا اس سلسلہ میں دور دراز کی توجیہات کی کوئی حاجت نہیں۔ (درس ترمذی: ۲۰/۱)

ہے، بایں طور کہ حدیث تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے اور خبر کا اطلاق آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے اخبار ملوک پر بھی ہوتا ہے۔ اخبار ملوک کو اخبار ہی کہہ سکتے ہیں حدیث نہیں کہہ سکتے اور خبر کے عموم ہی کی وجہ سے یہ اخبارات جو شائع ہوتے ہیں ان کو اخبار کہا جاتا ہے۔

اس پر یہ اعتراض ہوا کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث پر لفظ خبر کے اطلاق کی وجہ اس کا معنی لغوی ہے (یعنی وہ بات کے معنی میں ہے) تو کلام بھی تو بات کے معنی میں ہے لہذا حدیث کو کلام کیوں نہیں کہتے؟ جواب یہ ہے کہ کلام تو خبر و حدیث دونوں سے عام ہے، مگر چونکہ عرف نے لفظ کلام کو ایک خاص فن و علم یعنی عقائد کے ساتھ خاص کر دیا ہے، اس لئے اس کا اطلاق بخوف التباس حدیث پر نہیں کیا جاتا۔

امرِ خاص ”مؤلف“

مؤلف دو ہوتے ہیں: ایک مؤلفِ فن دوسرے مؤلفِ کتاب۔ یہاں مؤلفِ فن یعنی اس فن کے موجد اور بانی کو ذکر کرنا ہے، اس لئے کہ یہ مقدمۃ العلم ہے اور مؤلفِ کتاب کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

عام طور سے مشہور ہے کہ حدیث کی تدوین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے ایک سو برس بعد ہوئی، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ حدیث کی تالیف اس زمانہ میں ہوئی، بلکہ اس کی تالیف اور یادداشت وغیرہ تو خود حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھی، چنانچہ سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی احادیث کا ایک مجموعہ تھا جو انہوں نے اپنے بیٹے کے نام لکھا تھا۔

لَهُ الْخَبْرُ عِنْدَ عُلَمَاءِ هَذَا الْفَنِّ مُرَادِفٌ لِلْحَدِيثِ، وَقِيلَ بَيْنَهُمَا عُمُومٌ وَ خُصُوصٌ مُطْلَقًا، فَكُلُّ حَدِيثٍ خَبْرٌ مِنْ غَيْرِ عَكْسٍ، (شرح نخبۃ الفکر، ص ۸)

۱۰ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے نقل کیا ہے کہ سلیمان بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے والد سمرہ

اس مجموعہ کی چھ احادیث امام ابو داؤد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی سنن میں روایت کی ہیں اور جہاں کہیں بھی اس مجموعہ کی کوئی حدیث ”ابو داؤد“ میں آئی ہے اس کے ابتداء میں یہ الفاظ ہوتے ہیں ”أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ“ یا ”أَمَّا بَعْدُ قَالَ“ وغیرہ الفاظ ہوتے ہیں۔

اور اس مجموعہ کی سو کے قریب احادیث ”مسند بزار“ میں ہیں۔

اس کے علاوہ بہت سے ایسے مجموعے تھے جو خود حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اپنے اپنے طور پر قلمبند کر رکھے تھے۔ ”بخاری“ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے علاوہ کسی کے پاس مجھ سے زیادہ نہ تھیں، وجہ یہ تھی وہ احادیث لکھ لیا کرتے تھے اور میں زبانی یاد کر لیا کرتا تھا، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کتابتِ حدیث کی اجازت لے لی تھی۔

بن جندب سے ایک بڑا نسخہ روایت کیا ہے: ”رَوَى عَنْ أَبِيهِ نُسْخَةً كَبِيرَةً“ (تہذیب التہذیب: ص ۱۹۸/۴)

ابن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”أَنَّ الرِّسَالَةَ الَّتِي كَتَبَهَا سُمْرَةُ لِأَوْلَادِهِ يُوجَدُ فِيهَا عِلْمٌ كَثِيرٌ“ (اسد الغابۃ: ۲/۳۵۴)

۱۰ ابو داؤد شریف کی ان چھ جگہوں کے حوالہ جات یہ ہیں:

- ① ۶۶/۱، بَابُ اتِّخَاذِ الْمَسَاجِدِ فِي الدُّوْرِ، كِتَابُ الصَّلَاةِ، (رقم الحدیث ۴۵۶)
 - ② ۱۴۰/۱، بَابُ التَّشَهُّدِ، كِتَابُ الصَّلَاةِ (رقم الحدیث ۹۷۵)
 - ③ ۲۱۸/۱، بَابُ الْعُرُوضِ إِذَا كَانَتْ لِلتَّجَارَةِ هَلْ فِيهَا زَكَاةٌ، كِتَابُ الزَّكَاةِ (رقم الحدیث ۱۵۶۲)
 - ④ ۳۴۶/۱، بَابُ فِي النِّدَاءِ عِنْدَ النَّفْيِ يَا خَيْلَ اللَّهِ اِرْكَبِي، كِتَابُ الْجِهَادِ (رقم الحدیث ۱۵۶۰)
 - ⑤ ۱۵/۲، بَابُ النَّبِيِّ عَنِ السُّنَنِ عَلَيَّ مَنْ غَلَّ، كِتَابُ الْجِهَادِ (رقم الحدیث ۲۷۱۶)
 - ⑥ ۲۹/۲، بَابُ فِي الإِقَامَةِ بِأَرْضِ الشَّرِكِ، كِتَابُ الْجِهَادِ، (رقم الحدیث ۲۷۸۷)
- ۱۰ مَا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَدٌ أَكْثَرَ حَدِيثًا عَنْهُ (أَيُّ النَّبِيِّ

خود عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بیان ہے کہ میں جس قدر احادیث سن لیتا تھا ان کو لکھ لیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ قریش نے مجھے یہ کہہ کر روکا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں بہت سی باتیں غصہ میں کہہ دیتے ہوں گے اس لئے تم حدیثیں نہ لکھو! میں ان کے کہنے سے رک گیا، مگر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لکھ لیا کرو اس زبان سے کسی بھی حالت میں ناحق بات نہیں نکل سکتی، چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس احادیث کا ایک مجموعہ تیار ہو گیا، جس کا نام انہوں نے ”الصادقہ“ رکھا تھا۔ عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس مجموعہ احادیث کو اپنی زندگی کی متاع عزیز سمجھتے تھے۔ ان کا قول ہے:

”مَا يُرْغِبُنِي فِي الْحَيَاةِ إِلَّا الصَّادِقَةُ“

یہی ”کتاب الصادقہ“ مجھ کو زندگی کا لطف دے رہی ہے۔ ان کو کسی حال میں اس کی مفارقت گوارا نہ تھی اور اس پر بہت ناز تھا، فخریہ انداز میں کہا کرتے تھے:

”فَأَمَّا الصَّادِقَةُ فَصَحِيفَةٌ كَتَبْتُهَا مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ“

یعنی صادقہ کو میں نے رسول اللہ کی زبان مبارک سے سن کر لکھا ہے۔

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) مِئِي إِلَّا مَا كَانَ مِنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو فَإِنَّهُ كَانَ يَكْتُبُ وَلَا أَكْتُبُ، (بخاری: ۲۲/۱، بَابُ كِتَابَةِ الْعُلَمَاءِ، كِتَابُ الْعُلَمَاءِ، رَقْمُ الْحَدِيثِ ۱۱۳)

لَهُ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: كُنْتُ أَكْتُبُ كُلَّ شَيْءٍ أَسْمَعُهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُرِيدُ حِفْظَهُ، فَهَتَّنِي قُرَيْشٌ وَقَالُوا أَتَكْتُبُ كُلَّ شَيْءٍ تَسْمَعُهُ وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَشَرٌ يَتَكَلَّمُ فِي الْغَضَبِ وَالرِّضَا، فَأَمْسَكْتُ عَنِ الْكِتَابِ فَذَكَرْتُ ذَلِكَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَوْمَأَ بِإِصْبَعَيْهِ إِلَيَّ فَقَالَ: أَكْتُبُ قَوْلَ الَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا يَخْرُجُ مِنْهُ إِلَّا حَقٌّ، (ابو داؤد، بَابُ فِي كِتَابَةِ الْعُلَمَاءِ، كِتَابُ الْعُلَمَاءِ، رَقْمُ الْحَدِيثِ ۳۶۶۶)

لَهُ ابْنُ سَعْدٍ: ۳۷۳/۲. لهُ سنن الدارمی: ۱۰۵/۱.

یہ صحیفہ عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی وفات پر ان کے پوتے شعیب بن محمد بن عبد اللہ کو ملا تھا۔ اور شعیب سے ان کے صاحبزادے عمرو روایت کرتے ہیں۔ کتب احادیث میں ”عَنْ عَمْرٍو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ“ کی سند سے جو حدیث آتی ہے وہ اسی مجموعہ ”الصادقہ“ کی ہوتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرائض و سنن اور دیت کے مسائل پر مشتمل ایک تحریر لکھوا کر عمرو بن حزم صحابی کے ہاتھ اہل یمن کے پاس بھیجی تھی۔ اس نوشتہ کے جستہ جستہ ٹکڑے احادیث و سیر کی کتابوں میں ملتے ہیں ”مُسْتَذْرَكِ حَاكِمِ“ میں اس کتاب کی (۶۳) حدیثیں منقول ہیں۔

اس کے علاوہ ایک نوشتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل یمن کے نام روانہ فرمایا تھا، جس کی حدیثیں ”مُصَنَّفُ ابْنِ أَبِي شَيْبَةَ“ میں امام شععی رحمہ اللہ تعالیٰ سے مروی ہیں۔

اسی طرح دیگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی اپنے طور پر تحریری مجموعے قلم بند کر رکھے تھے۔ لہذا حدیث کی کتابت اور جمع تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ میں ہو چکی تھی، البتہ کتابی شکل میں اور تصنیف کی شکل میں یہ ذخیرہ بعد میں منتقل کیا

لہ تہذیب التہذیب: ۴۹/۸.

اور ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے حافظ یحییٰ بن معین رحمہ اللہ تعالیٰ سے جو الفاظ نقل کئے ہیں کہ ”وَجَدْتُ شُعَيْبًا كَتَبَ عَبْدَ اللَّهِ“ اس میں لفظ کتب (کتابیں) بتاتا ہے کہ ان کی صرف ایک ہی کتاب نہ تھی بلکہ متعدد کتابیں تھیں جو ان کو ملیں۔ (۵۳/۸)

لہ تہذیب التہذیب: ۴۹/۸.

لہ طحاوی: ۴۱۷/۲.

لہ مثلاً صحیفہ انس بن مالک۔ (دیباچہ صحیفہ ہمام بن منبہ، از محترم ڈاکٹر حمید اللہ صاحب) صحیفہ علی۔ (مستدرک حاکم، ۵۷۴/۳) صحیفہ وائل بن حجر۔ (معجم صغیر للطبرانی، ص ۲۴۱ و ص ۲۴۲) صحیفہ ابن عباس، صحیفہ ابن مسعود، صحیفہ جابر بن عبد اللہ، صحیفہ سعد بن عبادہ۔

گیا۔

یہ بحث کوئی مہتمم بالشان بحث نہ تھی، مگر حقاء زمانہ نے اس کو مہتمم بالشان بنا دیا، کیونکہ عام طور سے فرقہ قرآنیہ (وہ فرقہ جو صرف قرآن کو حجتِ شرعیہ مانتا ہے حدیث کو نہیں) اور آوارہ قسم کے روشن خیال حضرات خاص طور سے اچھا لیتے ہیں کہ بھلا ایسی احادیث کا کیا اعتبار جو ایک سو برس بعد لکھی گئیں، لیکن یہ لوگ بکواس محض کرتے ہیں، ورنہ ابھی معلوم ہو گیا کہ جمع و کتابت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے شروع ہو چکی تھی، البتہ تصنیف و ترویج بعد میں ہوئی۔

علم حدیث کی تاریخی حیثیت

ایک طرف آفتاب اسلام کی کرنیں حدودِ عرب سے نکل کر کائنات کے درو دیوار سے ٹکرائیں اور اسلامی علوم و معارف اور ان کے رجال مکہ، مدینہ، بصرہ، کوفہ، شام، اور مصر وغیرہ سے باہر نکل کر ایشیا، افریقہ اور حدودِ یورپ میں داخل ہوئے اور دوسری طرف صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جو درحقیقت اسلام کے چلتے پھرتے مدرسے اور اسلامی تعلیمات کی جیتی جاگتی تصویر تھے دنیا سے اٹھنے لگے اور ابھی صدی ختم نہ ہونے پائی تھی کہ بزمِ عالم ان کے مبارک وجود سے تقریباً خالی ہو چلی، چنانچہ بصرہ کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سب سے آخر میں جس نے وفات پائی وہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ آپ کا انتقال سن ۹۳ھ میں ہوا ہے۔ یہ وہ وقت تھا کہ دوسرے اسلامی شہروں میں بھی دوچار کبیر السن صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے علاوہ کہ جو جلد ہی فوت ہو گئے خورشیدِ نبوت سے براہ راست کسبِ نور کرنے

۱۔ سیر الصحابہ: ۱۲۲/۳۔ البدایہ والنہایہ (اردو) ۱۶۹/۹۔

۲۔ مثلاً ابو نعیم الانصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ متوفی ۹۶ھ یا ۹۷ھ (البدایہ والنہایہ (اردو) ۲۹۶/۹) ابوالمامہ سہل بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ متوفی ۱۰۰ھ (حوالہ بالا ص ۲۷۴) ابوظہیر عامر بن واثلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سب سے آخر میں انہی کی وفات ہوئی، متوفی ۱۰۰ھ،

والے تمام ستارے غروب ہو چکے تھے۔

ماہ صفر سن ۹۹ھ میں خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ سریر آرائے خلافت ہوئے۔ آپ کو خلفائے راشدین میں شمار کیا گیا ہے اور آپ پہلی صدی کے مجدد ہیں۔ آپ نے دیکھا کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے متبرک نفوس سے دنیا خالی ہو چکی۔ اکابرین تابعین میں کچھ تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ ہی چل بسے۔ باقی جو ہیں ایک ایک کر کے سارے مقامات سے اٹھتے جا رہے ہیں، اس لئے آپ کو اندیشہ ہوا کہ ان حفاظِ اہل علم کے اٹھنے سے علومِ شرعیہ نہ اٹھ جائیں؟ اور حدیثِ پاک کی جو امانت ان کے سینوں میں محفوظ ہے وہ ان کے ساتھ ہی قبروں میں نہ چلی جائے؟

ادھر شیعہ، خوارج، قدریہ، نئے نئے فرقے اسلام میں سر اٹھا رہے تھے، جو اپنے اپنے عقائد و خیالات کی ترویج میں پوری قوت سے کوشاں تھے، اس لئے آپ نے فوراً تمام ممالک کے امراء کے نام فرمان بھیجا کہ میں علم حدیث کے مٹنے اور علماء

بعض نے ۱۰۷ھ بتلایا ہے۔ (حوالہ بالا)

۳۔ سن ۹۹ھ بروز جمعہ ماہ محرم (یا صفر) میں آپ کے دستِ حق پرست پر خلافت کی بیعت ہوئی۔

(البدایہ والنہایہ: ۲۶۶/۹ اردو)

۴۔ شیخ الاسلام بدرالدین ابدال رحمہ اللہ تعالیٰ "رِسَالَةُ مَرْصُوبَةٍ فِي نُصْبَةِ مَذْهَبِ الْأَشْعَرِيَّةِ" میں تحریر فرماتے ہیں:

"اعْلَمُوا أَنَّ الْمُجَدِّدَ إِنَّمَا هُوَ كَعُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى فِي الْمِائَةِ الْأُولَى" الخ. (مجموعۃ الفتاوی: ۱۳۷/۱)

علامہ لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "پہلی صدی کے مجدد بلا تفاق حضرت عمر بن عبدالعزیز

رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔ (حوالہ بالا، ص ۱۳۳)

اس موضوع پر تفصیل دیکھنا ہو تو "الْفَوَائِدُ الْحُجَّةُ فِي مَنْ يَنْبَعُ اللَّهُ لِهَيْدِهِ الْأُمَّةِ" مؤلف حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ اور "متنبہ بمن يبعثه الله على رأس المائة" کا مطالعہ کیجئے۔

کے اٹھنے کا خوف کرتا ہوں، لہذا اپنے اپنے بلاد کے علماء کو حکم کریں کہ جو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث ہیں ان کو جمع کریں، چنانچہ مدینہ منورہ کے قاضی و عامل ابوبکر بن محمد بن حزم رحمہ اللہ کے نام جو خط لکھا اس میں یہ عبارت موجود ہے:

”أَنْظُرُ مَا كَانَ مِنْ حَدِيثِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَآكْتُبُهُ، فَإِنِّي خِفْتُ دُرُوسَ الْعِلْمِ وَذَهَابَ الْعُلَمَاءِ“

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث تلاش کر کے قلمبند کرو، کیونکہ مجھے آئندہ علم کے مٹنے اور علماء کے اٹھ جانے کا اندیشہ ہے۔

اسی طرح حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ نے علامہ ابن شہاب زہری رحمہ اللہ تعالیٰ کو بھی احادیث جمع کرنے کا حکم دیا۔

حافظ ابن عبدالبر کے بیان کے مطابق امام ابن شہاب زہری رحمہ اللہ تعالیٰ کو سب سے پہلے لکھا اور انہوں نے سب سے پہلے حدیثیں لکھ کر دار الخلافہ بھیجیں۔ امام زہری کے دفاتر میں اتنی حدیثیں تھیں کہ ان کی کتب حدیث ولید بن یزید کے قتل کے بعد سرکاری خزانے سے سواریوں پر لاد کر لائی گئیں۔

قاضی ابوبکر بن محمد بن حزم رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے وقت میں مدینہ کے بڑے علماء میں سے تھے۔ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ ان کے متعلق فرماتے ہیں:

”لَمْ يَكُنْ أَحَدًا بِالْمَدِينَةِ عِنْدَهُ مِنْ عِلْمِ الْقَضَاءِ مَا كَانَ عِنْدَ أَبِي بَكْرِ بْنِ حَزْمٍ“

یعنی اس وقت مدینہ میں علم قضاء کا عالم ان سے بڑھ کر کوئی اور شخص موجود نہ

تھا۔

۱۔ بخاری: ۲۰/۱، باب کیف يقبض العلم، كتاب العلم.

۲۔ توجیه النظر، ص ۷

۳۔ ”توجیه النظر الی اصول الاثر“ ۴۸/۱۔ یہ علامہ طاہر بن صالح الجزائری رحمہ اللہ تعالیٰ (م)، جو چودہویں صدی کی ابتدا کے مشہور عالم ہیں، کی علم اصول حدیث میں بڑی جامع کتاب

بیت العلم و النور

علاوہ ازیں ان کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقات، دیات، اور سنن کے کچھ احکام بھی وراثتہ موجود تھے۔ موصوف بڑے عابد شب بیدار تھے۔ ان کی اہلیہ کا بیان ہے کہ چالیس سال ہونے کو آئے یہ کبھی شب میں اپنے بستر پر دراز نہیں ہوئے۔

آپ نے امیر المؤمنین کے حسب ارشاد حدیث میں متعدد کتابیں لکھیں، لیکن انہوں نے قاضی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ کارنامہ پایہ تکمیل کو پہنچا تو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ وفات پا چکے تھے۔ آپ نے ۲۵ رجب ۱۰۱ھ میں وفات پائی۔ مدت خلافت ۲ سال ۵ ماہ ہے۔ یہی مدت کم و بیش حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کی بھی ہے۔

مدون اول

سب سے پہلے کس نے اس فن کو مدون اور محبوب کیا؟ ائمہ محدثین و مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ سب سے پہلے حدیث کے مدون امام ابن شہاب زہری رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔ ان کی وفات ۱۲۵ھ میں ہوئی ہے۔

۱۔ شیخ عبدالفتاح ابونعدہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق و حاشیہ کے ساتھ دو جلدوں میں شائع ہوئی ہیں۔

۲۔ توجیه النظر: ۴۸/۱.

۳۔ ابن شہاب زہری رحمہ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قبیلہ بنی زہرہ سے تعلق رکھتے ہیں، اس لئے ان کو زہری کہا جاتا ہے اور ان کے جد امجد شہاب بہت مشہور آدمی تھے اس لئے ان کی طرف نسبت کر کے ان کو ابن شہاب کہتے ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ،

۱۰۸/۱، تهذيب الكمال، ۴۱۹/۲۶، فتح الباری، ۲۲/۱)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

”أَتَفَقَّوْا عَلَيَّ إِنْقَانِهِ وَآمَانَتِهِ“

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

”لَمْ يَبْقَ أَحَدٌ أَعْلَمُ بِسُنَّةِ مَا ضَبَّيَةٍ مِنَ الزُّهْرِيِّ“

اور لیث بن سعد کا قول ہے:

بیت العلم و النور

ہے کہ ایک امیر نے ابو بکر بن حزم رحمہ اللہ تعالیٰ کو اور دوسرے نے ابن شہاب زہری رحمہ اللہ تعالیٰ کو حکم دیا ہو۔ زمانہ دونوں کا تقریباً ایک ہی ہے۔

بہر حال یہ دونوں نام تو علی العموم ملتے ہیں، لیکن تاریخ میں اس کے علاوہ اور بھی دوسرے حضرات کے متعلق لکھا ہوا ہے کہ یہ اول مدون ہیں، مثلاً امام مالک، معمر، ابن جریج، ابن مبارک، ہشیم رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین وغیرہ ان سب کے تراجم میں ملے گا کہ یہ لوگ اول مدون ہیں، اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس زمانہ میں تاریخی برقی ڈاک وغیرہ کا یہ سلسلہ تو تھا نہیں جو اب ہے۔ ایسے نہ ریل تھی، نہ ہوائی جہاز، موٹریں وغیرہ، بلکہ یہ دستور تھا کہ اگر کسی کو اپنے کسی عزیز کا حال معلوم کرنا ہوتا یا سلام وغیرت وغیرہ کہلانی ہوتی تو جو قافلہ کسی غرض سے اس طرف جاتا یا کوئی ملنے کے واسطے آیا ہوتا اور وہ واپس جاتا یا حج کر کے لوگ واپس جاتے تو ان کے ساتھ ایک پرچہ دیدیا کرتے تھے۔ جب وہ اس مقام پر پہنچتا تو تلاش کرا کر دیدیا کرتا۔ اس میں بسا اوقات ایک دو سال بھی لگ جایا کرتے تھے۔ غرض کہ ایک کو اپنے سے دور رہنے والے کا حال چونکہ بالکل معلوم نہ ہوتا تھا اس لئے جب کبھی کوئی کتاب حدیث کی کسی طرح دوسری جگہ پہنچتی تو وہ سمجھتے تھے کہ یہی شخص اول مدون ہوگا، اس لئے کہ ان کو اس کی خبر ہی نہیں ہوا کرتی تھی کہ اس سے پہلے بھی ایک کتاب اور تصنیف کی جا چکی ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ان دونوں حضرات نے تو کتابی شکل میں جمع کیا اور پھر جوں جوں زمانہ گذرا تہذیب و تنقیح و تبویب ہوتی چلی گئی اور اس فن میں جلا پیدا ہوتا گیا اور دوسرے محدثین نے ہر باب کی احادیث الگ الگ جمع کر دیں، مثلاً زکوٰۃ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاجْمَعُوهُ“ (فتح الباری: ۱۹۵/۱)

حافظ ابو عمرو بن عبد البر نے نقل کیا ہے:

”يُحَدِّثُ سَعْدُ بْنُ ابْرَاهِيمَ: أَمَرْنَا عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ بِجَمْعِ السَّنَنِ“

(جامع بیان العلم: ۷۶/۱)

اور بعض محدثین ومؤرخین کی رائے یہ ہے کہ سب سے پہلے مدون ابو بکر بن محمد بن عمرو بن حزم رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں اور ان کی وفات ۱۲۰ھ میں ہوئی۔ جو لوگ ان کو ترجیح دیتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”بَابُ كَيْفَ يُقْبَضُ الْعِلْمُ“ کے ذیل میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کا جو خط نقل کیا ہے اس میں انہیں کا نام مذکور ہے، اور ”مَوْطَا امام محمد“ میں ہے کہ ان کو حکم فرمایا گیا، لیکن ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں۔ پہلے معلوم ہو گیا کہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ نے امرائے اجناد کو خطوط لکھ کر جمع حدیث کا حکم فرمایا تھا تو بہت ممکن

”مَا رَأَيْتُ عَالِمًا قَطُّ أَجْمَعَ مِنَ الزُّهْرِيِّ وَإِنْ حَدَّثَ عَنِ الْقُرْآنِ وَالسُّنَنِ فَكَذَلِكَ“

زہری جیسا جامعیت کا حامل میں نے کسی عالم کو نہیں دیکھا، اور قرآن وحدیث کو بیان کرنے والا ان سے بہتر کوئی نہیں پایا۔

یہی ابن شہاب زہری رحمہ اللہ تعالیٰ ”أَوَّلُ مَنْ دَوَّنَ الْحَدِيثَ“ کے مصداق ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”باب کتابہ العلم“ میں انہی کو مدون اول قرار دیا ہے۔

(فتح الباری: ۲۰۸/۱)

اسی طرح ابو نعیم نے ”حلیۃ الاولیاء“ میں امام مالک کا یہ قول نقل کیا ہے کہ مدون اول ابن شہاب زہری ہیں۔ (حلیۃ الاولیاء: ۳/۳۶۳)

سلہ ابو بکر بن حزم رحمہ اللہ تعالیٰ: یہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدینہ منورہ کے گورنر تھے۔ عالم، فاضل، متقی، عابد اور شب زندہ دار تھے۔ ان کی اہلیہ کا بیان ہے کہ: چالیس سال تک یہ کبھی رات کو بستر پر نہیں لیئے۔ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: مدینہ منورہ میں ان سے زیادہ کسی کو قضاء کا علم نہیں تھا۔ (تہذیب الکمال: ۲۳/۱۳۷)

”كَتَبَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ إِلَى أَبِي بَكْرِ بْنِ حَزْمٍ: أَنْظُرْ مَا كَانَ مِنْ حَدِيثِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَكْتُبْهُ فَإِنِّي خِفْتُ دُرُوسَ ذَهَابِ الْعُلَمَاءِ وَ ذِهَابِ الْعُلَمَاءِ“ (بخاری: ۲۰/۱)

”مَوْطَا امام محمد: ۳/۴۶۰، باب اکتتاب العلم، ابواب السير۔“

”حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابو نعیم اصفہانی کے حوالے سے ذکر کیا ہے:

”كَتَبَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ إِلَى الْأَفَاقِ أَنْظُرُوا حَدِيثَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ

کی ”کتاب الزکوٰۃ“ میں اور نماز کے متعلق روایات ”کتاب الصلوٰۃ“ میں وغیرہ وغیرہ۔

علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے علم حدیث میں ایک الفیہ لکھا ہے جو ”الفیہ سیوطی“ کے نام سے مشہور ہے، (اس کو الفیہ اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں ہزار اشعار ہیں) اس میں ان حضرات کے اسمائے گرامی بیان فرمائے ہیں جن کو اول مدون کہا گیا ہے اور چونکہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کو بھی اول جامع کہا جاتا ہے اس وجہ ان کا نام بھی مذکور ہے وہ اشعار یہ ہیں

أَوَّلُ جَامِعِ الْحَدِيثِ وَالْأَثَرِ
وَأَوَّلُ الْجَامِعِ لِلْأَبْوَابِ
كَابِنِ جُرَيْجٍ وَهَشِيمٍ وَمَالِكِ
وَأَوَّلُ الْجَامِعِ بِإِقْتِصَارٍ
وَمُسْلِمٌ بَعْدَهُ وَالْأَوَّلُ
عَلَى الصَّحِيحِ فَقَطُ الْبُخَارِيِّ
عَلَى الصَّحِيحِ فِي الصَّحِيحِ أَفْضَلُ

عمر سے مراد حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔ ان اشعار میں سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اول مدون ابن شہاب زہری رحمہ اللہ تعالیٰ کو بتلایا ہے۔ اب چونکہ یہ اعتراض رہ جاتا ہے کہ امام زہری رحمہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ کو بھی تو اول مدون کہا گیا ہے تو علامہ ان دونوں میں جمع کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”واول الجامع“ الخ یعنی امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ پر جو اول جامع کا اطلاق کیا گیا ہے وہ اس حیثیت سے ہے کہ ان حضرات نے سب سے پہلے ابواب کی شکل میں احادیث کو مرتب کیا۔ جمہور کا یہی جواب ہے، اس کے بعد فرماتے ہیں: وَأَوَّلُ الْجَامِعِ بِإِقْتِصَارٍ عَلَى الصَّحِيحِ فَقَطُ الْبُخَارِيِّ چونکہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ پر بھی اول جامع کا اطلاق ہے اس لئے علامہ

۱۸/۱۔ مقدمہ اوجز:

سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: امام پر اول مدون کا اطلاق اس حیثیت سے ہے کہ انہوں نے احادیث صحیحہ مجردہ کو سب سے پہلے جمع کیا۔

تیسری وجہ اس تعارض کی حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمائی ہے کہ: یہ اولیت باعتبار بلاد کے ہے مثلاً مدینہ طیبہ میں امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ، بصرہ میں ابن جریج رحمہ اللہ تعالیٰ اور ری (ایران) میں عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ، یمن میں معمر بن راشد رحمہ اللہ تعالیٰ سب سے اول احادیث کو جمع کرنے والے ہیں۔

احادیث پر ہونے والے اشکالات اور ان کے جوابات

برصغیر میں علم حدیث نہایت پرسکون ماحول میں پڑھایا جاتا ہے اور پڑھنے والوں کے اذہان میں کوئی غلجان و شک نہیں ہوتا، جس کی اصل وجہ ایک صدی سے اکابرین کی مسلسل محنت اور ہر آبادی میں عامۃً فضلاء مدارس عربیہ کی ایک معتد بہ تعداد ہے۔ اس کے بالمقابل موجودہ عرب ممالک میں اور خاص کر شرق اوسط میں اس علم کے متعلق عوام کے ذہن میں بہت سارے اشکالات ہیں، جن کی وجوہات یہ ہیں:

- ①..... پچھلی ایک صدی سے اکابرین کی جو محنت یہاں ہوئی وہ وہاں نہ ہو سکی۔
- ②..... فضلاء دین کی تعداد میں نہایت کمی۔
- ③..... یہود و نصاریٰ کی آبادی کی کثرت، جو مستقل علوم اسلامیہ کو پڑھ کے اس کے ذریعہ سے حدیث شریف کے متعلق عوام میں شکوک پھیلاتے ہیں۔ ابھی ابھی اس ملک میں یہودی ذہنیت کے مالک بہت سارے غیر مسلم اور نام نہاد مسلم حضرات بھی طرح طرح کے اشکالات علوم اسلامیہ پر کرنے لگے۔ ان مشہور اشکالات میں

۱۔ شرق اوسط سے مراد: سعودیہ، یمن، قطیف ریاض، عراق سوریا (شام) ایران، اردن، فلسطین، لبنان، مصر، ترکی کا کچھ حصہ۔

سے صرف چند کے ذکر پر اکتفاء کیا جاتا ہے، باقی اس موضوع پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔

اَوَّلٌ:..... احادیث اسلامی قانون سازی میں حجت نہیں ہیں، اگر یہ حجت ہوتیں تو دور رسالت یا دور صحابہ میں اس کو باقاعدہ لکھوا دیا جاتا، جیسے قرآن کریم کو لکھوا دیا گیا تھا، معلوم ہوا احادیث شریفہ ایسی ہیں جیسے بزرگوں کے اقوال۔

دَوِّمٌ:..... احادیث شریفہ کی تدوین ایک طویل دور کے بعد ہوئی ہے، تو صحیح اور موضوع روایات میں امتیاز کیسے ہو سکتا ہے؟

یہ جو اشکال کیا جاتا ہے کہ دور رسالت میں کتابت حدیث کا کام کیوں نہیں ہوا؟ اس کے چند جوابات دیئے گئے ہیں:

پہلا جواب:..... اس کا یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے سینکڑوں کام تھے جہاد کی مشغولیت، مسائل کا سیکھنا سکھانا اور پھر حسب ضرورت کسب معیشت وغیرہ وغیرہ، چنانچہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے سینکڑوں مشاغل کے دوران جن میں فتنہ ارتداد وغیرہ بھی شامل ہے احکام فرعیہ کی تدوین کا موقعہ نہیں ملا، بلکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں اس کی تدوین ہوئی۔

دوسرا جواب:..... یہ ہے کہ صحیح مسلم شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ: تم صرف قرآن کو لکھا کرو میری احادیث مت لکھو اور جو کچھ تم نے احادیث لکھی ہیں ان کو مٹا دو۔

تو چونکہ اس حدیث سے ممانعت ثابت ہو رہی ہے، اس لئے علماء سلف میں

لہ "لَا تَكْتُبُوا عَنِّي، وَمَنْ كَتَبَ عَنِّي غَيْرَ الْقُرْآنِ فَلَيْمَحَّةٌ" (مسلم: ۵۱۴/۲، بابُ التَّثْبُتِ فِي الْحَدِيثِ وَحُكْمِ كِتَابَةِ الْعِلْمِ، كِتَابُ الزُّهْدِ)

کتابت حدیث کے متعلق تین مذاہب ہو گئے۔

① ایک جماعت یوں کہتی ہے کہ جب اباحت و ممانعت میں تعارض ہو جائے تو ممانعت کو ترجیح دی جائے گی۔

② دوسری جماعت یوں کہتی ہے کہ بعض دوسری احادیث سے کتابت کا ثبوت ملتا ہے، اس وجہ سے حدیث کا لکھنا اور لکھوانا جائز ہے، مثلاً حجۃ الودع کے موقع پر ایک صحابی ابو شاہ یمنی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ: یہ خطبہ مجھے لکھوا دیجئے! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اُكْتُبُوا لِأَبِي سَاهٍ“^۱

اس خطبہ میں کیا تھا احادیث ہی تو تھیں۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا حدیث جمع کرنے کا واقعہ تفصیل سے گذر چکا جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا:

”اُكْتُبْ فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا يَخْرُجُ إِلَّا الْحَقُّ“

”یعنی لکھو اس لئے کہ اس زبان سے غصہ میں یا خوشی میں سوائے حق کے کچھ نہیں نکلتا“^۲ کے متعلق اگر یہ کہا جائے کہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کتابت حدیث کا حکم دیا ہے تو بے جا نہ ہوگا، ورنہ کم از کم اجازت تو ضرور ہے۔

ایسے ہی ایک مرتبہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بعض حضرات نے پوچھا کہ آپ کے پاس کچھ احکامات ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھ کر دیئے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ میرے پاس اس صحیفہ کے علاوہ اور اس فہم کے علاوہ جو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے اور کوئی شکی نہیں اور اس صحیفہ میں زکوٰۃ، دیات، قصاص، امان وغیرہ کے لئے ترمذی: ۱۰۷/۲، باب ماجاء فی الرخصة فیہ، ابواب العلم، رقم الحدیث ۲۶۶۷، بخاری: ۲۷/۱، ۲۳، باب کتابۃ العلم، کتاب العلم۔

۱ دیکھیے صفحہ ۳۷ حاشیہ نمبر (۱)۔

۲ ابو داؤد، باب فی کتابۃ العلم، کتاب العلم، رقم الحدیث ۳۶۴۶۔

احکام تھے۔

اس کے علاوہ بہت سی احادیث اس قسم کی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتابت حدیث کی اجازت دی ہے۔

اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مختلف شاگردوں نے صحائف لکھے۔ انہی میں سے ایک ”صَحِيْفَةُ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ“ ہے جس سے امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب ”صحیح مسلم“ میں ”هَذَا مَا حَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ“ کر کے روایت نقل فرماتے ہیں۔ انہی مذکورہ احادیث سے اس دوسری جماعت نے اس پر استدلال کیا ہے کہ حدیث کی کتابت جائز ہے۔

۳ تیسری جماعت نے دونوں قسم کی روایت کو جمع کرنے کے لئے ایک تیسرا

۱۔ باب کتابت العلم، کتاب العلم، رقم الحدیث ۱۱۱، (یہ حدیث بخاری شریف میں اور بھی کئی جگہ پر آئی ہے)

۲۔ مثلاً ایک انصاری صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا: ”اسْتَعْنِ بِمِمْبِنِكَ“ (ترمذی: ۱۰۷/۲) رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوال پر فرمایا: ”اُكْتُبُوا ذَلِكَ وَلَا حَرَجَ“

(تدریب الراوی، ص ۲۸۶ (۶۳/۲) والمحدث الفاضل، ص ۳۶۹) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے:

”قَيِّدُوا الْعِلْمَ بِالْكِتَابِ“ (جامع بیان العلم، ص ۷۲، والمحدث الفاضل، ص ۳۶۸) (دیکھیے ”حجیت حدیث“ ص ۱۲۳ ”تدوین حدیث“ ص ۵۱)

۳۔ حضرت ہمام بن منبہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی احادیث کا جو مجموعہ مرتب کیا تھا اس کا نام حاجی علیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”كَشْفُ الظُّلْمُونَ“ میں ”الصَّحِيْفَةُ الصَّحِيْحَةُ“ ذکر کیا ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مسند میں اس صحیفہ کو بتما نقل کر دیا ہے۔ چند سال پہلے اس صحیفہ کا اصل مخطوط دریافت ہو گیا ہے۔ اس کا ایک نسخہ جرمنی میں برلن کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ دوسرا نسخہ دمشق کے کتب خانہ ”مجمع علمی“ میں ہے۔ سیرت اور تاریخ کے مشہور محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب نے ان دونوں نسخوں سے مقابلہ کر کے یہ صحیفہ شائع کر دیا ہے۔ اس میں ایک سو اڑتیس (۱۳۸) احادیث ہیں اور جب مسند احمد سے اس کا مقابلہ کیا گیا تو کہیں ایک حرف یا ایک نقطہ میں بھی فرق نہیں تھا۔

مذہب یہ بیان کیا کہ یاد کرنے کے لئے لکھ لے اور جب یاد ہو جائے تو مٹا دے، لیکن اب جمہور سلف و خلف کا اجماعی اور متفق علیہ فیصلہ ہے کہ حدیث پاک کا لکھنا لکھوانا جائز ہے، چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”بَابُ كِتَابَةِ الْعِلْمِ“ کے ذیل میں کتابت کا جواز ثابت فرمایا ہے۔

تیسرا جواب: یہ دیا جاتا ہے کہ ان کے یہاں حفظ کا بڑا اہتمام تھا، چونکہ ان کے حافظے نہایت قوی تھے اور لاکھوں حدیثیں وہ اپنے اذہان میں محفوظ رکھتے تھے، اس لئے کتابت کی طرف زیادہ توجہ نہیں ہوتی تھی۔

حافظے مضبوط ہونے کی چند وجوہات تھیں:

۱۔..... اللہ تعالیٰ کا فضل۔

۲۔..... وہ ناخواندہ تھے اور ناخواندہ اقوام قلم کے بجائے حافظے سے زیادہ کام لیتی ہے۔

۳۔..... عربوں کے یہاں اشعار، تقاریر، خاندانی انساب یہاں تک کہ جانوروں کے انساب بھی یاد رکھنے کا بڑا اہتمام تھا، جبکہ دیگر اقوام کو یہ بات حاصل نہیں۔

محدثین کا دور تو بہت بعد کا ہے، لیکن ان کے حافظے کے واقعات دیکھ کر صحابہ و تابعین کے حافظوں کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ ایک دو واقعے مثال کے طور پر عرض ہیں:

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ کا واقعہ مشہور ہے کہ جنگل میں تشریف لے جا رہے تھے، ایک جگہ پر خود ہی جھک گئے، شاگردوں نے عرض کیا حضور کیوں جھکے؟ امام صاحب نے فرمایا یہاں کوئی کیکر کا درخت نہیں ہے؟ تلامذہ نے عرض کیا کہیں نہیں ہے۔ امام صاحب نے فرمایا کہ اگر میرا حافظہ اتنا کمزور ہے تو میرا احادیث نقل کرنا ہی ٹھیک نہیں ہے، لیکن جب تحقیق کی گئی تو گاؤں کے بڑے بوڑھوں نے بتلایا کہ یہاں بہت مدت پہلے ایک کیکر کا درخت تھا جو اب نہیں رہا۔

لہ الاعلام، للزركلي: ۱۳۱/۲، حجیت حدیث، ص ۱۱۰۔

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ اخیر زمانہ میں نابینا ہو گئے تھے۔ بینائی کے زمانہ میں کبھی اس جنگل میں کیکر کے درخت کے نیچے سے گزرے ہوں گے جو ان کو اب تک یاد رہا۔

امام زہری رحمہ اللہ تعالیٰ کے حافظے کا یہ حال تھا کہ وہ فرماتے ہیں کہ: جب میں مقام بقیع (اس جگہ مدینہ کا بازار لگا کرتا تھا) سے گذرتا اپنے کان اس خوف سے بند کر لیا کرتا تھا کہ کہیں اس میں بیہودہ باتیں نہ پڑ جائیں، خدا کی قسم ہے کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میرے کان میں کوئی بات پڑ گئی ہو پھر میں اسے بھول گیا ہوں۔

ابوزرعہ رازی رحمہ اللہ تعالیٰ جو حدیث و رجال کے مشہور ائمہ میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ:

پچاس سال ہوئے جب میں نے حدیثیں لکھیں تھیں اور وہ میرے گھر میں رکھی ہوئی تھیں، لکھنے کے بعد اس پورے پچاس سال کے اندر ان حدیثوں کا میں نے دوبارہ مطالعہ نہیں کیا ہے، لیکن جانتا ہوں کہ کون سی حدیث کس کتاب میں ہے اور اس کتاب کے کس ورق اور کس صفحہ پر ہے، اور کس طرح ہے۔

تو جب اللہ تعالیٰ نے ان کو اتنے زبردست حافظے دیئے تھے تو ان کو جمع کر کے تصنیف و تالیف کرنے کا کیا فائدہ ہوتا؟ بلکہ ان کا سینہ خود علم کا خزانہ تھا۔

ایک اور اشکال

تدوین جب ایک طویل عرصہ بعد ہوئی تو پھر صحیح اور موضوع روایات میں امتیاز کیسے ہو سکتا ہے؟

۱۰ امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ واقعہ بہت مشہور ہے، مگر تتبع کے باوجود حوالہ نہ مل سکا۔ مختلف حضرات و اساتذہ کرام سے مناسبت سے حاضر ہے۔ (مرغوب)

۱۱ جامع بیان العلم: ۶۹/۱۔

۱۲ تہذیب: ۲۳/۷۔

بیتِ اعلیٰ

جواب

اس بات کو سمجھنے کے لئے کچھ تاریخی پس منظر سمجھنا ہوگا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں جب خانہ جنگی شروع ہوئی تو امت

میں چار جماعتیں بنیں:

۱..... اصلی مسلمان اس السنۃ والجماعت۔

۲..... حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں غلو کرنے والے۔

۳..... حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرفداری میں غلو کرنے والے۔

۴..... ان دونوں کو صحابی ہی نہ ماننے والے۔

یہ آخری تین گمراہ فرقے سیاسی طور پر وجود پذیر ہوئے۔ اب ہر باطل فرقہ اپنی تائید میں احادیث کو بیان کرنے لگا اور وضع احادیث کا دروازہ کھل گیا۔ اس وقت امت میں جو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم حیات تھے انہوں نے احادیث کے سلسلہ میں احتیاط شروع کی اور جو بھی حدیث شریف بیان کرتا اس سے سند مانگنا شروع کر دی۔ اس میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جو موجود تھے ان کی تائید بھی ضروری سمجھی گئی، چونکہ دور رسالت سے ملحق دور تھا اس لئے وسائل نہایت کم تھے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ سند کی بنیاد خود صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ڈالی ہوئی ہے۔

اس طرح صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جب اپنے دور میں احادیث کے سلسلے میں رجال اور سند پر زور دینا شروع کیا تو یہی چیز بعد والوں کے لئے بھی ذریعہ امان بن گئی۔ واضعین ایک طرف وضع کا کام کرتے تھے دوسری طرف سند کے ذریعہ سے ان کی اس چوری کو پکڑ لیا جاتا، چنانچہ صحاح ستہ اور دوسری کتب احادیث میں برابر اسانید کو ذکر کیا جاتا ہے اور ناقدرین حضرات نے رواۃ پر جرح و تعدیل بھی مکمل کر دی ہے، اس لئے اب اس میں خلجان کا کوئی موقع ہی باقی نہیں رہتا۔

بیتِ اعلیٰ

اس موقع پر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ نقد کا یہ سلسلہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بعد کا ہے، اس لئے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نقل حدیث کے مسئلہ میں ”كُلُّهُمْ عَدُولٌ“^۱ ہیں اور یہ استقرائے تام ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے آخری دور میں حدیث شریف کی حفاظت اور موضوع احادیث کو صحیح سے الگ کرنے کیلئے تین بنیادی کام ہوئے:

۱..... اسناد۔

۲..... نقد رواۃ۔

۳..... توثیق اکابر اور یہ تینوں ذرائع وثوق ہیں اس لئے احادیث پر اعتماد کے سلسلہ میں کوئی وہم نہ کیا جائے۔

ایک اور اشکال

ایک اور اشکال جو منکرین کی طرف سے کیا جاتا ہے وہ یہ کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے احادیث خود حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی یا کسی دوسرے صحابی سے سنی اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم روایت کے معاملہ میں ”كُلُّهُمْ عَدُولٌ“ ہیں۔ اب جب تم احادیث کو قانون سازی میں داخل مانتے ہو تو پھر تمام احادیث سے ثابت ہونے والے احکام یکساں ہونے چاہئیں، یہ فرق احکام میں کیوں ہوتا ہے؟

۱۔ تدریب الراوی: ۱۹۰/۲۔

”الصحابة كُلُّهُمْ عَدُولٌ“ کی تشریح کے لئے دیکھیے! تدریب الراوی ص ۱۹۰/۲، ”مقام صحابہ“ از مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ، ص ۶۵۔

۲۔ استقراء: سے مراد وہ حجت ہے جس میں کسی کلمی کے حکم پر اسی کے جزئیات کے احکام سے استدلال کیا گیا ہو۔ استقراء تام: وہ حجت ہے جس میں کسی کلمی پر اس کے تمام جزئیات کے نتیجہ احوال سے حکم لگایا گیا ہو، یہ یقین کا فائدہ دیتا ہے، مثلاً ہر دیندار امانت دار ہوتا ہے، ہر بچل دنیا دار ہوتا ہے۔

(معین المنطق: ۸۶/۲، بحث استقراء)

جواب

۱..... تمام کی تمام نصوص باعتبار استنباط احکام یکساں درجہ کی نہیں، جیسے قرآن کریم کی (۵۰۰) سے زیادہ آیتیں احکام سے متعلق ہیں، لیکن تمام آیتوں سے ثابت ہونے والے احکام یکساں نہیں بلکہ اس میں فرق ہوتا ہے۔ معلوم ہوا قرآن کریم سے ثابت ہونے والے احکام ایک درجہ کے نہیں تو پھر احادیث پر یہ اشکال کیوں؟

۲..... نصوص سے احکام کے استنباط میں قرآن کا خاص لحاظ کیا جاتا ہے۔ قرآن کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم داخلی: اس کی دو صورتیں ہیں: ایک تو قرینہ اسی آیت میں ہو، دوسرا کسی دوسری آیت میں قرینہ ہو۔

دوسری قسم خارجی قرآن: وہ اصول و ضوابط جو اس دور میں اصول فقہ کے نام سے پڑھائے جاتے ہیں۔

اس موقع پر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہ خارجی قرآن صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے لئے نہیں تھے، مثلاً اسانید جو کہ اس وقت حدیث شریف پر اشکال کرنے والوں کے لئے پیٹ کا درد ہیں، اگر حقیقت کی نگاہوں سے دیکھا جائے تو یہ اسانید صرف ایک قرینہ ہے بنیاد نہیں، اس لئے کہ مجتہدین کی نگاہوں میں تلقی بالقبول جس روایت کو حاصل ہو وہ قابل قبول ہوتی ہے سند نہیں دیکھی جاتی۔

حجیت حدیث

اس زمانے میں حجیت حدیث کا مسئلہ بھی بڑا اہم ہے۔ منکرین حدیث نامی جو ایک گروہ ہے اس کا مطلب لوگوں نے غلط سمجھا۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ گروہ احادیث کا سرے سے انکار کرتا ہے گویا احادیث نام کی کوئی چیز ہی نہیں ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ منکرین حدیث کا صحیح مطلب یہ ہے کہ وہ احادیث شریفہ کو مانتے تو ہیں، لیکن

اس کو اسلامی قانون سازی میں بے حیثیت مانتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے یہ احادیث بزرگوں کے اقوال کی طرح تربیت اور اصلاح اخلاق وغیرہ امور کے لئے ہیں قانون سازی کے لئے نہیں، لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔ جس طرح قرآن کریم اسلامی قانون سازی میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے احادیث شریفہ کو بھی قانون سازی میں بڑا دخل ہے۔ اب اس دعویٰ کے ثبوت کے لئے دلیل کی ضرورت پڑتی ہے اور دلیل کے لئے بہت ساری کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ایک دو عام فہم دلیلوں کو ذکر کیا جاتا ہے۔

۱..... باری تعالیٰ کا پاک ارشاد ہے:

﴿ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ﴾^۱

پھر ہمارے ہی ذمہ ہے نازل کئے ہوئے قرآن پاک کی وضاحت کرنا۔

یہاں دو چیزیں ہوتیں: ایک مبین دوسرا مبین۔ مبین جو وضاحت کرے اور مبین جس کی وضاحت کی جائے۔ یہ دونوں من کُلِّ الْوُجُوهِ الگ نہیں، صرف اعتباری فرق ہے اور یہ جو بیان کرنے والا ہے اسی کو اصطلاح میں حدیث کہتے ہیں، چونکہ مبین بھی منجانب اللہ ہے، تو جس طریقے سے مبین یعنی قرآن کریم قانون ہوا اسی طریقے سے مبین بھی قانون ہوا اور قانون سازی میں اس کو بھی دخل ہے، جیسے کہ مرکزی حکومت کوئی قانون بناوے اور صوبائی حکومت اس کی من مانی وضاحت کرنے لگے تو وہ ناقابل قبول ہوگی۔ اصولی طور پر مرکز سے قانون کے ساتھ جو وضاحت آتی ہے وہ بھی قانون ہی شمار ہوتی ہے، تو اصل متن اور اس کی شرح یعنی احادیث شریفہ دونوں کو ملحوظ رکھ کر قانون تیار ہوتا ہے۔

۲..... سورہ نحل میں باری تعالیٰ کا پاک ارشاد ہے:

﴿وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ﴾

۱۔ سورہ قیامت، آیت ۱۹۔

بیّن (علم نزلت)

وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾^۲

اس آیت کریمہ میں بھی دو باتوں کا ذکر ہے: ایک وحی قرآن اور دوسرا اس کا بیان اور وضاحت، چونکہ قرآن کریم ایک جامع متن ہے، اس کو سمجھانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا اور یہ افہام صرف انسان کے بس میں ہے، مکہ والوں کا بھی یہ اشکال تھا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول فرشتہ کو کیوں نہیں بنایا؟ فرشتہ انسانوں کو وہ بات سمجھا نہیں سکتا جو ایک انسان سمجھا سکتا ہے۔ اب مقصد افہام کے لئے رسول کی زبان پر جو کلمات آتے ہیں وہ بھی اس مقصود میں شامل ہیں اس لئے بیان اور متن دونوں قانون سازی میں مساوی ہوئے۔

نکتہ

﴿لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ رسول کا کام بنیادی طور پر ضروری وضاحت کو پیش کرنا ہے۔ اب رسول جو اصل راہ ڈال کر جاتے ہیں اس پر ہر زمانہ میں ضرورت کے پیش نظر مجتہدین غور و فکر کر کے وضاحت کرتے رہیں گے اور وہ بھی قانون اسلامی شمار کیا جائے گا۔

۳..... ”نَضَرَ اللَّهُ أَمْرًا سَمِعَ مَقَالَتِي فَوَعَاهَا وَأَدَّاهَا قُرْبًا حَامِلٍ فِيهِ إِلَهِي مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ“^۳

(فَوَعَاهَا، پہلے زمانہ میں جب بینک نہیں تھے لوگ نقد کو برتن میں بند کر کے چھپا دیتے تھے، اس کو سینٹا کہا جاتا ہے اور لفظ وعاء اسی مناسبت سے برتن پر بولا جاتا

۱۔ سورہ نحل، آیت ۴۴۔ تَرْجِمَةً: ”آپ پر یہ قرآن اتارا ہے تاکہ جو مضامین (آپ کے واسطے سے) لوگوں کے پاس بھیجے گئے ان کو آپ ان سے ظاہر کر دیں اور تاکہ وہ (ان میں) فکر کیا کریں۔“
۲۔ ترمذی، باب ما جاء في الحث على تبليغ السماع، ابواب العلم، رقم الحديث، ۲۶۵۸۔

ابوداؤد، باب فضل نشر العلم، كتاب العلم، رقم الحديث ۳۶۶۰۔

بیّن (علم نزلت)

(ہے۔)

حدیث شریف میں بتایا گیا کہ ناقل کے مقابلہ میں منقول الیہ زیادہ فقیہ ہو سکتا ہے۔ معلوم ہوا زبان رسالت نے یہ اعلان فرمایا کہ ان احادیث میں فقہ ہے اور فقہ قانون اسلامی ہی کا نام ہے، تو قرآن کی طرح احادیث شریفہ کو قانون کا مصدر خود زبان رسالت نے فرمایا ہے۔

۱۲ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "أَلَا إِنِّي أُوتِيتُ الْقُرْآنَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ" الخ^۱

یعنی مجھے قرآن دیا گیا اور قرآن کریم کی مانند بھی ایک چیز دی گئی ہے۔

اور وہ یہ احادیث شریفہ ہی ہیں اور یہ مثلیت تعداد میں نہیں بلکہ حجیت میں ہے، چونکہ قرآن میں نماز کا اجمالی حکم ہے، اس کی تفصیل احادیث شریفہ میں ہیں اور نماز انہیں تفصیل کی رعایت کے ساتھ صحیح ادا ہوتی ہے۔ معلوم ہوا یہ قانون سازی میں حجت ہے۔

امرساوس اجناس

اس میں کلام مختصر ہے۔ علوم کی اجناس مقرر ہیں اور مقرر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ علم کی تقسیم مختلف حیثیات و احوال کے ساتھ کی گئی ہے، مثلاً ایک تقسیم علم کی باعتبار عقلیات و نقلیات کے ہے کہ آیا یہ علم عقلی ہے یا نقلی؟ جیسے منطق و فلسفہ عقلی ہیں اور جغرافیہ، تاریخ وغیرہ نقلی۔ اس معنی کے اعتبار سے علم حدیث کی جنس نقلی ہے۔ ایک تقسیم علوم کی اصلی و آلی ہونے کے اعتبار سے ہے کہ آیا یہ علم مقصود اصلی ہے یا دوسرے کسی علم کے لئے آلہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس اعتبار سے علم حدیث کی جنس اصلی ہے۔

ایک تقسیم علوم کی شرعی و غیر شرعی ہونے کے اعتبار سے ہے۔ اس اعتبار سے علم

۱۔ ابوداؤد، باب فی لزوم السنة، کتاب السنة، رقم الحدیث ۴۶۰۴۔

حدیث کی جنس شرعی ہوئی۔ تو اب خلاصہ یہ نکلا کہ علم حدیث کی جنس نقلی، اصلی، شرعی ہوئی۔

علماء نے اس سلسلہ میں متعدد کتابیں لکھیں ہیں مثلاً "كشَفُ الظُّنُونِ عَنْ أَسْمَائِ الكُتُبِ وَالْفُنُونِ" اس میں اصلی تذکرہ تو کتابوں کا ہے مگر جمعا اجناس پر بھی بحث کی گئی ہے اور نواب صدیق حسن خان قنوجی رحمہ اللہ تعالیٰ کی "أَبْجَدُ الْعُلُومِ" اور مولانا محمد اعلیٰ تھانوی محدث رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب "كشَفُ إِصْطِلَاحَاتِ الْفُنُونِ" وغیرہ۔ اس فن میں سب سے جامع کتاب یہی "کشاف" ہے۔

امرسالبح مرتبہ حدیث

علم حدیث کا مرتبہ دو اعتبار سے ہے، ایک باعتبار فضیلت، دوسرا باعتبار تعلیم۔ فضیلت کے اعتبار سے تو یہ دوسرے نمبر پر ہے، کیونکہ اول نمبر پر قرآن پاک ہے اور تعلیمی حیثیت سے اس کا مرتبہ سب علوم سے آخر میں ہے، جیسا کہ آپ بھی دیکھتے ہیں کہ ہر درس نظامی میں دورہ حدیث شریف کو جملہ کتب کے اخیر میں رکھا گیا ہے۔ سب سے پہلے نحو و صرف اور دوسرے علوم کی تعلیم دی جاتی ہے، کیونکہ یہ سب علوم آلیہ ہیں اور آلہ کے درجہ میں ہیں اور آلہ مقدم ہوا کرتا ہے اور اصل مقصد مؤخر۔

امرسالمن قسمت و تبویب

جس طرح کتابوں کے اندر تقسیم و تبویب ہوتی ہے ایسے ہی علم کی بھی تقسیم و تبویب ہوتی ہے، چنانچہ حدیث کے آٹھ ابواب ہیں۔ یعنی ہر حدیث کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان آٹھ ابواب میں سے کسی ایک باب میں داخل ہو وہ آٹھ یہ ہیں:

۱ عقائد۔

- ۲..... احکام۔
- ۳..... تفسیر۔
- ۴..... تاریخ۔
- ۵..... رقائق۔
- ۶..... آداب۔
- ۷..... مناقب۔
- ۸..... فتن۔

جو کتاب ان آٹھوں ابواب پر مشتمل ہو اس کو جامع کہتے ہیں ”بخاری“ جامع ہے۔

نیز ان اقسام ثنائیہ میں مستقل الگ الگ تصانیف بھی ہیں، مثلاً امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ”کِتَابُ الْأَسْمَاءِ وَالصِّفَاتِ“ اس میں بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے احادیث عقائد کو جمع کیا ہے اور عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ کی ”کِتَابُ الزُّهْدِ وَالرِّقَاقِ“ وغیرہ۔

”ترمذی“ کے متعلق اختلاف ہے کہ وہ کونسی قسم میں داخل ہے۔ اس کے اندر اگرچہ ابواب ثنائیہ موجود ہیں مگر اس کی ترتیب فقہی انداز پر ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کو ”کِتَابُ الْعَطَاةِ“ سے شروع فرمایا نہ کہ ”کِتَابُ الْإِيمَانِ“ سے۔ جن لوگوں نے آٹھوں ابواب کا خیال کیا انہوں نے اس کو جامع بتلایا اور بعض لوگوں نے یہ دیکھ کر کہ اس کی تالیف بر طریق سنن ہے اس کو ”سُنَنِ تِرْمِذِي“ بتلایا۔

امرِ تاسع حکم شرعی

علم حدیث کا حکم شرعی یہ ہے کہ جس مقام پر صرف ایک مسلمان ہو وہاں حدیث کا پڑھنا فرض عین ہے اور اگر بہت سے مسلمان ہوں تو پھر فرض کفایہ ہے۔

یہی حکم علم فقہ کا ہے، کیونکہ احادیث کی تفصیل و تبیین فقہ پر ہی موقوف ہے۔ یہ امور پورے ہوئے۔

انواع کتب حدیث

علم کی اجناس ہوتی ہیں اور کتاب کی انواع بیان کی جاتی ہیں۔ اب اسی کا نمبر ہے۔ انواع کتب حدیث کا مطلب یہ ہے کہ محدثین کرام نے نہایت جانفشانی سے اپنی کتابوں کو لکھنے میں جو ایک خاص اسلوب اور جدت اختیار کی ہے اور طرح طرح کی گلگاریاں کی ہیں اور مختلف طریقوں سے احادیث جمع کی ہیں وہ کس طرح سے ہیں اور کیسی ہیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب ”عَجَالَةُ نَافِعَةٍ“ میں چھ قسمیں بیان فرمائی ہیں، جس میں انہوں نے جوامع و سنن کو ایک شمار فرما کر اس طرح تقسیم فرمائی ہے: جوامع، مسانید، معجم، اجزاء رسائل، اربعینات، لیکن سیدی حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”مُقَدِّمَةُ لَامِعِ الدَّرَارِيِّ“ میں انتیس قسمیں بیان فرمائی ہیں۔

پہلی قسم ”جوامع“

جامع اس کتاب کو کہتے ہیں جو علم حدیث کے ابواب ثنائیہ پر مشتمل ہو، یعنی عقائد، احکام، تفسیر، تاریخ، آداب، رقائق، مناقب، فتن۔

۱۔ عَجَالَةُ نَافِعَةٍ مَعَ فَوَائِدِ جَامِعِهِ ص ۵۱۔

۲۔ مَقْدِمَةُ لَامِعِ الدَّرَارِيِّ، ص ۱۶۲/۱ تا ۲۰۴۔

۳۔ علامہ کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان مضامین کو اس شعر میں جمع کر دیا ہے:

سیر، آداب، تفسیر، د عقائد، فتن، احکام، اشراف و مناقب

۴۔ سیر: سیرت کی جمع ہے، یعنی وہ مضامین جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے واقعات پر مشتمل ہیں۔

”بخاری“ اور ”ترمذی“ جامع ہیں، کیونکہ ان میں یہ آٹھوں ابواب موجود ہیں، لیکن ”ترمذی“ کو ”سنن ترمذی“ بھی کہہ سکتے ہیں، کیونکہ وہ ابواب فقہیہ کی ترتیب پر ہے، البتہ ”مسلم شریف“ میں اختلاف ہے کہ آیا وہ جامع ہے یا نہیں؟ کیونکہ ”باب التفسیر“ اس میں بہت مختصر ہے۔ جن لوگوں نے اس کو بھی جامع کہا ہے تو وہ صرف اس بنا پر کہ مختصر تفسیر کا باب موجود تو ہے اور دوسرے لوگوں نے مختصر ہونے کی وجہ سے اس کا اعتبار نہیں کیا، لیکن محدثین اس پر جامع کا اطلاق کرتے ہیں۔

آداب: ادب کی جمع ہے، مراد ہیں آداب المعاشرت، مثلاً کھانے پینے کے آداب۔

تفسیر: یعنی وہ احادیث جو تفسیر قرآن سے متعلق ہیں۔

عقائد: وہ احادیث یا مضامین جن کا تعلق عقائد سے ہے۔

فتن: ”فتنہ“ کی جمع ہے، یعنی وہ بڑے بڑے واقعات جن کی پیشینگوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔

اشراف: یعنی علامات قیامت۔

احکام: یعنی احکام عملیہ جن پر فقہ مشتمل ہوتا ہے۔

مناقب: منقبت کی جمع ہے، یعنی صحابہ کرام اور صحابیات رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور مختلف قبائل اور طبقات کے فضائل۔

رقاق: رقیق کی جمع ہے، مراد وہ باتیں جن سے دل نرم ہوں اور دنیا سے بے رغبتی پیدا ہو۔

۱۰ شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”صحیح مسلم“ کو جامع میں تسلیم نہیں کیا، مگر دوسرے محدثین رحمہ اللہ تعالیٰ مثلاً شیخ محمد الدین فیروز آبادی، حاجی خلیفہ، ملا علی قاری، نواب صدیق حسن خان صاحب، علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین وغیرہ نے اسے جوامع میں شمار کیا ہے۔ (فوائد جامعہ برعجلہ نافعہ، ۱۵۶، ۱۵۷)

سب سے پہلی جامع ”جامع معمر بن راشد“ ہے، جو امام زہری رحمہ اللہ کے شاگرد حضرت معمر رحمہ اللہ تعالیٰ کی تالیف ہے اور پہلی صدی ہجری ہی میں مرتب ہو چکی تھی، لیکن اب نایاب ہے۔

دوسری ”جامع سفیان ثوری“ ہے۔ اس سے امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی استفادہ کیا، یہ بھی نایاب ہے۔

تیسری ”جامع عبد الرزاق“ ہے جو امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی رحمہ اللہ تعالیٰ (متوفی ۲۱۱ھ) کی تالیف ہے اور دوسری صدی ہجری میں معروف ہو چکی تھی۔ یہ ”مصنف عبدالرزاق“ کے نام

دوسری قسم ”سنن“

اس کتاب کو کہتے ہیں جس کے ابواب فقہی طریقہ سے ہوں، اور جس میں صرف احکام کی احادیث ہوں، جیسے سنن ابوداؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، سنن دارقطنی، سنن بیہقی، وغیرہ۔

تیسری قسم ”مسند“

مسند اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں صحابی کی ترتیب پر احادیث کو جمع کیا گیا ہو کہ ہر صحابی کی تمام روایات کو ایک جگہ جمع کیا جاوے خواہ وہ کسی مسئلہ سے متعلق ہوں، لیکن اس کی ترتیب مختلف طریقوں سے ہوتی ہے۔ بعض تو افضل کو مقدم کرتے ہیں۔ اس صورت میں پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرویات، پھر حضرت عمر

سے مشہور ہے اور حال ہی میں (۱۹۷۰ء تا ۱۳۹۰ھ سے ۱۹۷۲ء تا ۱۳۹۲ھ کے درمیان علامہ حبیب الرحمن اعظمی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق سے) گیارہ (عظیم) جلدوں میں (خوبصورت نائپ سے اعلیٰ کاغذ پر دارالقلم بیروت سے چھپ کر ”مجلس علمی“ ڈابھیل، سملک) سے شائع ہو چکی ہے۔

”جامع دارمی“ بھی مشہور جوامع میں داخل ہے۔ لیکن سب سے زیادہ مقبولیت ”جامع رخاری“ کو حاصل ہوئی ہے، اس کے بعد ”جامع ترمذی“ کو۔ (لامع الدراری: ۴۴/۱)

۱۱ سنن: کو ابتداء میں ”ابواب“ کہتے تھے، بعد میں اس کا نام تبدیل ہو کر ”مصنف“ ہو گیا اور آخر میں اس کو ”سنن“ کہا جانے لگا۔ سنن میں سب سے پہلی کتاب امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے استاذ حضرت مامر بن شراہیل اشعری رحمہم اللہ تعالیٰ نے لکھی جو ”ابواب الشعبی“ کے نام سے مشہور ہے۔

۱۲ الرسالة المستطرفة، ص ۲۹۔

۱۳ صحاح ستہ میں نسائی، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ سنن ہیں، چنانچہ ”سنن اربعہ“ کا لفظ بول کر یہی چار کتب مراد لی جاتی ہیں۔ سنن اربعہ کے علاوہ سنن بیہقی، سنن دارمی، سنن دارقطنی اور سنن سعید بن مسعود اس نوع کی مشہور کتابیں ہیں۔ ان کے علاوہ سنن ابن جریر اور سنن کعب بن الجراح اس نوع کی قدیم کتابیں ہیں، نیز مصنف عبدالرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ بھی اس نوع میں شامل ہیں۔

بعض حضرات کھول کی کتاب السنن کو بھی اسی میں شمار کرتے ہیں۔

۱۴ سب سے پہلی مسند حضرت نعیم بن حمار رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھی۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرویات ہوں گی۔

اور بعض حروف تہجی کے اعتبار سے ترتیب دیتے ہیں اس میں بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے ہوں گے، مگر اس لئے کہ ان کے نام میں پہلے الف ہے، اسی طرح حضرت اسامہ اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی حرف الالف میں ہوں گے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نمبر حرف العین میں ہوگا۔

اور بعض تقدم اسلام کے اعتبار سے ترتیب دیتے ہیں، یعنی جو متقدم فی الاسلام ہو اس کی روایت کو پہلے جمع کریں گے خواہ وہ مرتبہ میں کم ہو یا زیادہ۔

بعض نے مراتب صحابہ کے اعتبار سے ترتیب دی ہے، یعنی پہلے خلفاء راشدین، پھر اصحاب بیعت رضوان و علیٰ ہذا القیاس۔

بعض نے قبائل کے اعتبار سے ترتیب دی ہے۔ جس میں پہلے بنو ہاشم کی مرویات کو ذکر کیا ہے خصوصاً حضرت علی و حضرت حسن و حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما، اس کے بعد ہر وہ قبیلہ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قریبی تعلق و رشتہ رکھتا ہو، اس اعتبار سے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی احادیث کو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی احادیث سے پہلے لائیں گے۔

۱۔ لیکن ایسی تصانیف مفقود ہیں جن میں تقدم فی الاسلام کا اعتبار کیا گیا ہو۔ (مقدمہ لامع الدراری: ۱۴۶/۱)

۲۔ مثلاً خلفاء راشدین کے بعد عشرہ مبشرہ، پھر بدرین رضی اللہ تعالیٰ عنہم، پھر شرکائے بیعت رضوان رضی اللہ تعالیٰ عنہم، پھر اہل حدیبیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، پھر فتح مکہ سے پہلے ہجرت کرنے والے، پھر جو فتح مکہ کے بعد اسلام لائے، پھر صفار صحابہ، ان کے بعد عورتیں، لیکن عورتوں میں ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیثوں کو مقدم کیا جائے گا، اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں میں سے تین صاحبزادیوں حضرت زینب، حضرت رقیہ، اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہن سے کوئی روایت منقول نہیں اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کچھ (۱۸، سیر الصحابہ: ۶/۱۰۶) روایتیں منقول ہیں لیکن وہ بہت کم ہیں۔ (عجالة نافعہ، ص ۳۹)

۳۔ کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ قبیلہ بنی امیہ سے تعلق رکھتے ہیں جو حضرت ابوبکر رضی اللہ

پہلے زمانہ میں مسانید لکھنے کا بہت دستور تھا اور اکثر اکابر نے مسانید لکھیں ہیں، مثلاً: ”مسند امام احمد ابن حنبلؒ“، ”مسند ابی داؤد طیالسی“، ”مسند ابن ابی شیبہ“، ”مسند حمیدی“، ”مسند بزار“ وغیرہ۔

چوتھی قسم ”مجموعہ“

مجموعہ وہ کتاب ہے جس میں شیوخ کی ترتیب پر روایات کو جمع کیا جائے، تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبیلوں کے نسبت بنو ہاشم سے زیادہ قریب ہے۔ (مقدمہ لامع الدراری: ۱۴۶/۱)

اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی احادیث حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیثوں پر مقدم ہوں گی۔ (عجالة نافعہ، ص ۵۰)

۱۔ مسانید میں ”مسند امام احمد بن حنبل“ سب سے زیادہ مشہور اور نہایت جامع و متداول ہے۔ ۲۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ کبھی حدیث کی کتاب پر ”مسند“ کا اطلاق اس لئے بھی کر دیا جاتا ہے کہ اس میں احادیث ابواب فقہیہ کی ترتیب پر ہوتی ہے یا اس کی ترتیب حروف و کلمات پر ہوتی ہے اور اس میں ہر حدیث کی سند حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک مذکور ہوتی ہے، چونکہ وہ مسند اور مرفوع حدیثوں کا مجموعہ ہوتا ہے اس لئے اس کو مسند کہہ دیتے ہیں۔ بخاری اور مسلم کو مسند اسی لئے کہا گیا ہے۔ ۳۔ دارمی کو بھی مسند کہتے ہیں حالانکہ اس میں مرسل، منقطع اور معطل سب طرح کی احادیث ہیں، مگر مرفوعات کا ذخیرہ زیادہ ہے، (لیکن مسند کی یہ اصطلاح مشہور نہیں ہے)۔

۴۔ واضح رہے مسند جس طرح اسمائے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر حروف تہجی کے اعتبار سے مرتب ہوتی ہے اگر ابواب فقہیہ پر بھی مرتب ہو تو ایسی کتاب بیک وقت مسند بھی کہلاتی ہے اور مصنف و سنن بھی، گو ایسی کتابیں بہت کم لکھی گئیں۔ شیخ الاسلام ابو عبد الرحمن قہی بن مخلد رحمہ اللہ تعالیٰ اندلسی المتوفی ۷۷۱ھ کی کتاب ”مصنف کبیر“ جس کو مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ناموں پر مرتب کیا، اس میں ایک ہزار تین سو سے زائد صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کی ہے، پھر صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کو عنوانات فقہ اور ابواب احکام پر مرتب کیا ہے، جس کی وجہ سے وہ مسند و مصنف بن گئی۔

(عجالة نافعہ، ص ۱۵۹)

۵۔ مجموعہ کی یہ تعریف مشہور ہے کہ شیوخ کی ترتیب پر روایات جمع کی ہوں، مگر حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: یہ تعریف صحیح نہیں۔ مجموعہ ہے جس میں حروف تہجی کی ترتیب پر احادیث کو جمع کیا گیا ہو، خواہ یہ ترتیب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں ہو یا شیوخ میں۔

چاہے اس میں شیخ کی وفات کے تقدم کا اعتبار ہو یا شیخ کے علم و فضل کا یا حروف تہجی کا، جیسے ”معاجم ثلاثہ طبرانی“ (معجم کبیر، معجم اوسط، معجم صغیر)۔

پانچویں قسم ”مشیحات“

(مشیحہ) کسی بھی استاذ یا شیخ کی روایات کو یکجا جمع کر دینا خواہ وہ کسی بھی مسئلہ سے متعلق ہو، مثلاً مشیحہ ابن البخاری، مشیحہ ابن شادان، مشیحہ ابن القاری، وغیرہ۔

چھٹی قسم ”اجزاء و رسائل“

اجزاء حدیث کی وہ کتاب ہے جس میں کسی خاص استاذ کی روایات کو ذکر کر دیا جائے، جیسے جزء حدیث ابی بکر، جزء حدیث مالک اور رسائل وہ ہیں جن میں کسی اس نوع کی متعدد کتابیں مشہور ہیں، مثلاً معجم اسماعیلی، معجم ابن الغوطی، لیکن سب سے زیادہ مشہور امام طبرانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی معاجم ہیں۔ انہوں نے تین معاجم لکھی ہیں: ایک ”المعجم الکبیر“ جس میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ترتیب سے احادیث جمع کی ہیں۔ (معجم کبیر کے بارے میں اختلاف ہے کہ یہ صحابہ کی ترتیب پر ہے یا مشائخ کی۔ شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”بستان المحدثین“ ص ۱۳۷ (اردو، ص ۸۷) میں اور حاجی خلیفہ نے ”کشف الظنون“ ۲/۱۷۳، میں اسے صحابہ رضی اللہ عنہم کی ترتیب پر قرار دیا ہے، البتہ ”عجالة نافعه“ میں اسے مشائخ کی ترتیب پر قرار دیا ہے۔ حضرت شیخ فرماتے ہیں میں نے ۱۳۲۵ھ میں مدینہ منورہ میں ”معجم کبیر“ کا قلمی نسخہ دیکھا اس کی ترتیب مشائخ کے اعتبار سے تھی۔ (مقدمہ لامع الدراری: ۱/۱۳۹)

علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ”معجم کبیر“ اسماء صحابہ پر حروف تہجی کے اعتبار سے مرتب ہے۔ بیان کیا گیا ہے کہ اس میں ساٹھ ہزار حدیثیں ہیں اور یہ بارہ جلدوں میں ہے۔ اس کے متعلق ابن دبیہ کا بیان ہے کہ یہ دنیا کی سب سے بڑی سند ہے۔

دوسری ”المعجم الاوسط“ جس میں شیوخ کی ترتیب سے احادیث جمع کی گئی ہیں۔ تیسری ”المعجم الصغیر“ جس میں امام طبرانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے شیوخ میں سے ہر ایک کی ایک حدیث ذکر کی ہے۔ پہلی دو کتابیں نایاب ہیں، البتہ ان کی احادیث علامہ یثربی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ”مجمع الزوائد“ میں مل جاتی ہیں۔ تیسری شائع ہو چکی ہے۔ (عجالة، ص ۱۶۲)

۱۔ مقدمہ لامع الدراری: ۱/۱۵۱ و ۱۵۲۔

خاص مسئلہ و موضوع کے متعلق روایات کو جمع کیا گیا ہو۔

ان اجزاء و رسائل کو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے الگ الگ دو قسمیں شمار کی ہیں، شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میرے نزدیک دونوں ایک ہیں۔ متقدمین جس چیز کو اجزاء سے تعبیر کرتے تھے متاخرین نے اس کو رسائل سے تعبیر کیا، چنانچہ امام سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ بکثرت اجزاء پر رسالہ کا اطلاق کرتے ہیں اور میرے نزدیک اس قول کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کا ”جُزْءُ رَفْعِ الْمَدَائِنِ“ مشہور ہے، حالانکہ وہ ایک مسئلہ کے متعلق ہے، لیکن شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کے مطابق اس کو رسالہ کہنا چاہئے۔

ساتویں قسم ”اربعینہ“

جس کو ہمارے یہاں ”چہل حدیث“ کہتے ہیں۔ اس کے متعلق ایک حدیث مشہور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

”مَنْ حَفِظَ عَلَيَّ أُمَّتِي أَرْبَعِينَ حَدِيثًا مِنْ أَمْرِ دِينِهَا بَعَثَهُ اللَّهُ تَعَالَى يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِي زُمْرَةِ الْفُقَهَاءِ وَالْعُلَمَاءِ، وَفِي رِوَايَةِ أَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ: كُنْتُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَافِعًا وَشَهِيدًا، وَفِي رِوَايَةِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ: قَبِلَ لَهُ أَنْ يَدْخُلَ مِنْ أَيِّ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ شِئْتَ“

یعنی جو شخص میری امت کے لئے اس کے امر دین کے متعلق چالیس حدیثیں محفوظ کر لے اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن فقہاء اور علماء کے ساتھ اٹھائیں گے اور ابورداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ میں قیامت کے دن اس کا شفاعت

۱۔ لامع الدراری، ص ۱۵۲۔ ۲۔ عجالة نافعه، ص ۵۰۔

۳۔ تقریر بخاری شریف، از حضرت شیخ: ۱/۱۷۲۔

اور گواہ بنوں گا اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ اس کو کہا جائے گا کہ جنت کے جس دروازے سے تو چاہے داخل ہو جائے۔

یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے، لیکن تمام علماء حدیث (محدثین) نے چہل حدیث لکھیں ہیں۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے لکھنے والے عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔

کوئی محدث ایسا نہیں جس نے چہل حدیث نہ لکھی ہو۔ حضرت شاہ ولی اللہ

سلسلہ شعب الایمان للبیہقی، ص ۲۷۰ و ۲۷۱، باب فی طلب العلم، فصل فی فضل العلم و شرف مقداره، رقم الحدیث ۱۷۲۶ و ۱۷۲۷، مشکوٰۃ: ۳۶/۱، کتاب العلم، الفصل الثالث.

سلسلہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”هَذَا مَثَلٌ مَشْهُورٌ فِيمَا بَيْنَ النَّاسِ وَ لَيْسَ لَهُ إِسْنَادٌ صَحِيحٌ“ (یعنی، مشکوٰۃ، جوالہ بالا) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: یہ حدیث تیرہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے منقول ہے لیکن اس کی کوئی سند علت قادمہ سے محفوظ نہیں۔ (تلخیص الحبیبر، کتاب الوصایا، رقم ۱۳۷۵، ۹۳/۳)

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

”وَاتَّفَقَ الْحَقَّاطُ عَلَى أَنَّهُ حَدِيثٌ ضَعِيفٌ وَإِنْ كَانَ كَثُرَتْ طُرُقُهُ“

(الاربعین النوویہ، ص ۵)

صاحب کشف الظنون تحریر فرماتے ہیں:

”أَمَّا الْحَدِيثُ فَقَدْ وَرَدَ مِنْ طُرُقٍ كَثِيرَةٍ بِرَوَايَاتٍ مُتَّوَعَةٍ وَاتَّفَقُوا عَلَى أَنَّهُ حَدِيثٌ ضَعِيفٌ وَإِنْ كَثُرَتْ طُرُقُهُ“ (۵۲/۱)

قَالَ ابْنُ عَسَاكِرٍ: ”الْحَدِيثُ رُوِيَ عَنْ عَلِيٍّ وَعُمَرَ وَأَنَسٍ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَابْنِ مَسْعُودٍ وَمَعَاذٍ وَأَبِي أَمَامَةَ وَأَبِي الدَّرْدَاءِ وَأَبِي سَعِيدٍ بِأَسَانِيدٍ فِيهَا كُلُّهَا مَقَالٌ“ (فیض القدیر: ۱۵۴/۶)

حافظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے اس پر تصحیح کی علامت لگائی ہے، مگر علامہ مناوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کی شرح میں تصحیف کی ہے۔ (فیض القدیر: ۱۵۴/۶، تحت رقم الحدیث ۸۶۴۰)

سلسلہ لامع الدراری، ص ۱۵۴/۱.

رحمہ اللہ تعالیٰ کی بھی ایک چہل حدیث ہے۔ اور نووی رحمہ اللہ تعالیٰ کی چہل حدیث تو مشہور ہے۔

آٹھویں قسم ”افراد و غرائب“

یہ دونوں ایک ہی ہیں۔ بعض لوگوں نے فرق بھی کیا ہے۔ غریب اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں کسی جگہ پر روایت میں صرف ایک راوی رہ جائے، مثلاً دارقطنی کی ”کتاب الافراد“۔

سلسلہ شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی چہل حدیث بہت مختصر ہے اور اس کی خصوصیت یہ ہے کہ ہر حدیث دو جملوں پر مشتمل ہے۔ (تقریر بخاری، ص ۳۷)

سلسلہ اربعینات لکھنے والوں نے مختلف انداز اختیار کئے ہیں، جیسے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی اربعین لکھی ہے جس میں بلحاظ سند امام مسلم امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ سے فائق ہیں، اس طرح کہ کسی حدیث پر اگر امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان پانچ واسطے ہیں تو وہی حدیث امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے چار واسطوں سے منقول ہے۔

ایک ”اربعین بلدانیہ“ لکھی گئی ہے جس میں چالیس حدیثیں چالیس مشائخ سے چالیس شہروں میں لی گئی ہیں۔

اور حافظ ابوالقاسم ابن عساکر دمشقی رحمہ اللہ نے ایک قدم اور آگے بڑھا کر ایسی اربعین لکھی ہے جس میں ”أَرْبَعِينَ حَدِيثًا عَنْ أَرْبَعِينَ شَيْخًا فِي أَرْبَعِينَ بَلَدًا عَنْ أَرْبَعِينَ صَحَابِيًّا“ کا ذکر ہے۔ (لامع الدراری: ۱۵۷/۱، کشف الظنون: ۵۴/۱)

سلسلہ لامع الدراری: ۱۵۸/۱، کشف الظنون: ۱۳۹۴/۱.

قَائِلًا: بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی شرائط میں یہ بات ہے کہ حدیث کی سند غریب نہ ہو بلکہ عزیز ہو، لیکن محققین محدثین نے اس دعوے کی تردید فرمائی ہے اس لئے کہ بخاری کی پہلی ہی روایت اس کی تعلیل کرتی ہے، کیونکہ اس میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لے کر بیٹا بن سعید الانصاری تک تفرقات واقع ہوئے اور جو بعض علماء اس کی کچھ متابعات ذکر کرتے ہیں ان کا کوئی اعتبار نہیں۔ یہ یاد رکھو کہ غریب کے لئے ضعیف ہونا ضروری نہیں، لہذا جب تم ”ہدایہ“ میں جا سجا بلکہ ہر حدیث کے نیچے دیکھو ”قلت غریب“ تو اس سے یہ نہ سمجھ لینا کہ یہ حدیث استدلال کے قابل نہیں اور اللہ کے فضل و کرم سے بخاری شریف کی پہلی حدیث ”إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ“ اور آخری حدیث ”كَلِمَتَانِ حَبِيبَتَانِ“ دونوں غریب ہیں۔ (تقریر بخاری: ۲۸/۱)

نویں قسم ”مستدرک“

یہ کسی کتاب کو سامنے رکھ کر لکھی جاتی ہے، مثلاً بخاری و مسلم کو سامنے رکھ کر ابو عبد اللہ حاکم نیشاپوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”مستدرک“ لکھی ہے۔ مستدرک کا مطلب یہ ہے کہ کسی کتاب کی شرط کے مطابق کوئی روایت موجود ہے اور اس کو اس کتاب کے مصنف نے ذکر نہ کیا ہو خواہ عمداً یا سہواً، جیسے ”مشکوٰۃ شریف“۔ یہ علامہ بغوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ”مصباح“ پر تخریج ہے اور فصل ثالث اس پر استدراک ہے۔

دسویں قسم ”مستخرج“

یعنی کسی کتاب کی احادیث کو اپنی سند سے بیان کرنا بشرطیکہ مصنف اصل حائل نہ ہو، اور فائدہ اس کا تقویت ہے، کیونکہ جو حدیث کسی سند کے ساتھ اصل کتاب

سہ حاکم نیشاپوری رحمہ اللہ تعالیٰ کی ”المُستَدْرِكُ عَلٰی الصَّحِيحَيْنِ“ سب سے زیادہ رائج اور مشہور ہے۔ اس میں انہوں نے وہ احادیث نقل کی ہیں جو صحیحین میں موجود نہیں، لیکن ان کے خیال میں بخاری اور مسلم کی شرط پر اترتی ہیں، لیکن امام حاکم رحمہ اللہ تعالیٰ تصحیح احادیث کے معاملہ میں بہت مسائل ہیں، چنانچہ انہوں نے بہت سی حسن، ضعیف، منکر بلکہ موضوع احادیث کو بھی ”صَحِيحٌ عَلٰی شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ“ قرار دے کر مستدرک میں داخل کر دیا ہے، اس لئے حافظ ذہبی نے اس کی تلخیص کر کے امام حاکم رحمہ اللہ تعالیٰ کی غلطیوں پر متنبہ کیا ہے، یہ تلخیص حاکم کی مستدرک کے ساتھ شائع ہو چکی ہے، جب تک حدیث کے بارے میں وہ صحت کی تصدیق نہ کر دے اس وقت تک محض حاکم کی تصحیح کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔

سہ تقریر بخاری: ۱/۱۷۷۔

سہ اس طور پر کہ مصنف سابق کے شیخ یا استاذ یا اس سے اوپر کے کسی استاذ سے اپنی سند ملا دے۔ مستخرج میں کتاب سابق کی ترتیب اور اس کی سند اور متن کی رعایت کی جاتی ہے اور یہ بات بھی پیش نظر رہتی ہے کہ سند اقرب سے ملائی جائے، یعنی سب سے پہلی جگہ جہاں دونوں کی سندیں ملتی ہوں وہیں ملا دے، کیونکہ اقرب کو چھوڑ کر بعد کے ساتھ ملانا استخراج نہیں کہلاتا الا لعدو أو زیادة مهمة۔ واضح رہے کہ استخراج میں متن کے پورے الفاظ کے ساتھ موافقت ضروری نہیں ہے، کیونکہ

میں ہے تو استخراج کرنے والا اپنی مستخرج میں وہ حدیث دوسری سند سے بیان کرے گا، مثلاً ”مستخرج ابو عوانہ“ یہ مسلم پر ہے۔

گیارہویں قسم ”دعلل“

یہ نوع علوم حدیث کی انواع میں سب سے زیادہ غامض اور مشکل ہے۔ اس میں اس کی اسانید و طرق کو جمع کر کے بیان کیا جاتا ہے کہ فلاں حدیث میں یہ علت ہے۔ اس فن کے لئے فہم ثاقب اور وسیع حافظہ اور رواۃ حدیث کی کامل معرفت اور اسانید و متون کا پورا ملکہ ضروری ہے۔ اسی لئے اس فن پر بڑے بڑے حضرات ہی نے قلم اٹھایا ہے، مثلاً: کتاب العلل علی ابن المدینی، کتاب العلل ابن ابی حاتم، احمد ابن حنبل، بخاری، مسلم، ابوزرعہ رازی، ترمذی اور دارقطنی رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین۔

ان سب میں جامع کتاب دارقطنی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ

روایت بالمعنی ہوتی ہے اور اس کے الفاظ میں تفاوت ہو جاتا ہے، جیسے ”لَا تُقْبَلُ صَلَوةٌ بِغَيْرِ طَهْوَرٍ“ کی جگہ ”لَا تُقْبَلُ صَلَوةٌ اِلَّا بِطَهْوَرٍ“ آ جاتا ہے۔

سہ مستخرجات بکثرت ہیں اور مختلف کتابوں پر لکھی گئی ہیں، جیسے ”مستخرج علی سنن ابی داؤد“ محمد ابن عبدالملک رحمہ اللہ تعالیٰ کی اور ”مستخرج علی جامع الترمذی“ ابوبکر طوسی رحمہ اللہ تعالیٰ کی، اسی طرح ”مستخرج علی صحیح مسلم“ ابو عوانہ یعقوب بن اسحاق استخراجی رحمہ اللہ تعالیٰ کی۔

نوٹ: ”مستخرج ابو عوانہ“ کو ”صحیح ابو عوانہ“ بھی کہتے ہیں، اس لئے کہ حافظ ابو عوانہ نے ”صحیح مسلم“ کے طرق کے علاوہ دوسرے طرق اور اسانید کا بھی ذکر کیا ہے اور متن میں کچھ احادیث کا اضافہ بھی فرمایا اس بناء پر اسے مستقل کتاب کی حیثیت دے کر ”صحیح ابو عوانہ“ کہا جاتا ہے۔

سہ نزہة النظر فی توضیح نخبۃ الفکر، ص ۷۵۔

سہ مقدمة لامع الدراری: ۱/۱۷۱۔ نیز دیکھیے: تدریب الراوی: ۱/۲۵۸۔ کشف الظنون،

۱۱۵۹/۲۔ مقدمہ فتح الباری، ص ۴۹۲۔

سہ مقدمة لامع الدراری: ۱/۱۷۱ و ۱۷۲۔

تعالیٰ کی ”کتاب العلیل“ دو ہیں: ایک چھوٹی دوسری بڑی۔ اول الذکر تو ”جامع ترمذی“ کے ساتھ منسلک ہے اور ثانی الذکر مستقل ہے۔

بارہویں قسم ”اطراف“

اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں احادیث کا ایک ٹکڑا (جو بقیہ حدیث پر دلالت کرتا ہو) ذکر کر کے اس کی وہ تمام اسانید جو کتابوں میں مذکور ہیں جمع کر دی جائیں، مثلاً انہوں نے بعنوان باندھا ”إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ“ اب یہ حدیث جتنے طرق سے مروی ہے ان سب کو جمع کر دیا جائے۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ حدیث تلاش کرنے میں بڑی آسانی ہوتی ہے کہ یہ حدیث کہاں کہاں ہے اور غلطی بھی جلدی معلوم ہو جاتی ہے۔

علل اور اطراف میں تھوڑا سا فرق ہے، وہ یہ کہ اطراف میں تو حدیث کی ساری اسانید کو یکجا کر دیا جاتا ہے خواہ وہ ضعیف ہوں یا صحیح اور علل میں صرف اسانید ضعیفہ کو ایک جگہ جمع کر کے ان کے نقائص پر تنبیہ کی جاتی ہے۔ اطراف میں بھی علماء نے بے شمار تصانیف کی ہیں، مثلاً ابن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ کی ”الْأَشْرَافُ فِي مَعْرِفَةِ الْأَطْرَافِ“ حافظ مزنی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ”تُحْفَةُ الْأَشْرَافِ فِي مَعْرِفَةِ الْأَطْرَافِ“، اسی طرح علامہ سیوطی، سراج الدین عمر بن علی الملقن، حافظ محمد بن طاہر مقدسی رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی اس موضوع پر کتابیں لکھی ہیں۔

۱۔ ابن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس موضوع پر سب سے پہلے دو جلدوں میں ”الْأَشْرَافُ فِي مَعْرِفَةِ الْأَطْرَافِ“ کے نام سے سنن اربعہ کی اطراف لکھی۔ اس کتاب کو انہوں نے حروف مجم پر مرتب کیا ہے۔ اس کے بعد حافظ عبد الغنی مقدسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”اطراف الكتب الستة“ تحریر فرمائی۔ حافظ ابوسعود ابراہیم بن محمد دمشقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے صحیحین پر اطراف لکھی۔ آج کل اس نوع کی سب سے زیادہ متداول کتاب حافظ مزنی رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی ۷۲۲ھ کی ”تُحْفَةُ الْأَشْرَافِ فِي مَعْرِفَةِ الْأَطْرَافِ“ ہے جس میں صحاح ستہ کے اطراف کو لکھا گیا ہے۔

تیرہویں قسم ”تراجم“

یعنی کسی خاص سند کو لے کر اس سند سے جتنی روایتیں مروی ہیں چاہے صحیح ہو یا سقیم سب ذکر کر دی جائیں، مثلاً ”مَالِكُ عَنْ نَافِعِ بْنِ عَبْدِ عَمْرٍ“ یا ”هَشَامُ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ“ اس فن میں حافظ صلاح الدین علائی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تصنیف فرمائی ہے۔

چودہویں قسم ”تعلیقہ“

یہ قسم متقدمین کے یہاں بہت کم پائی جاتی ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ کسی خاص موضوع پر روایات کو جمع کر دیا جائے اور سند کو چھوڑ کر متن پر اکتفا کیا جائے۔ متاخرین کی اکثر تصانیف اسی طرح کی ہیں، مثلاً علامہ بغوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ”مصابیح“ علامہ خطیب ترمیزی کی ”مشکوٰۃ“ بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ”مجمع الزوائد“ علامہ مغربی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ”جمع الفوائد“ علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ”جمع الجوامع“ وغیرہ۔

پندرہویں قسم ”تخارج“

اس کا اطلاق ان کتابوں پر ہوتا ہے جس میں کسی کتاب کی ان احادیث کی تخریج کی گئی ہو جو اصل کتاب میں بلا سند مذکور ہوں، جیسے ”احیاء العلوم للغزالی“، کی تخریج علامہ عراقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کی ہے۔ ”ہدایہ“ کی تخریج علامہ

اس نوع کے تحت ”المعجم المفہرس لا لفاظ الحدیث النبوی“ اور اس کی تلخیص ”مفتاح کنوز السنۃ“ بھی آتی ہیں۔ (کشف الظنون، ص ۱۰۳ و ۱۱۶۔ لامع: ۱/۱۷۱) ۱۔ اس نوع میں وہ کتابیں بھی داخل ہیں جو ”من روی عن ابیہ عن جدہ“ کہلاتی ہیں۔

زیلعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”نصب الروایہ“ نامی کی ہے۔ اسی طرح ”ہدایہ“ کی تخریج علامہ ابن الترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی کی ہے۔

سولہویں قسم ”زوائد“

یہ قسم متدرک ہی کے قریب ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ کسی کتاب کی روایات پر دوسری کتاب میں جو زائد روایات ہیں ان کو بیان کیا جائے، مثلاً حافظ مغلاطی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ”زوائد ابن حبان علی الصحیحین“ ”زوائد مسند احمد علی السنہ“ ”زوائد ابی یعلیٰ علی السنہ“ وغیرہ۔

سترہویں قسم ”ترغیب و ترہیب“

کسی خاص امر کے سلسلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو وعدے یا وعیدیں بیان فرمائی ہیں ان کو ایک جگہ جمع کر دینا، مثلاً امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ”تَرْغِيبُ الصَّلَاةِ“ اور حافظ زکی الدین منذری رحمہ اللہ تعالیٰ کی ”التَّرغِيبُ وَالتَّرْهِيْبُ“۔

۱۔ ”ہدایہ“ میں ساری احادیث بلا حوالہ ہیں، ان احادیث کی سند اور حوالہ تلاش کرنے کی غرض سے جو کتابیں لکھی گئیں وہ ہدایہ کی تخریج کہلائیں گی، مثلاً ”نصب الروایہ“ اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ کی ”الذِّرَايَةُ فِي تَخْرِيجِ أَحَادِيثِ الْهَدَايَةِ“۔

نیز انہوں نے ہی ”الْمُلَخِّصُ الْحَبِيبُ فِي تَخْرِيجِ أَحَادِيثِ الرَّافِعِيِّ الْكَبِيرِ“ کے نام سے ایک مفصل کتاب لکھی ہے، جس میں شافعی فقہ کے ایک مشہور متن ”رافعی“ کی احادیث کی تخریج کی ہے، ان کی یہ کتاب احادیث احکام کا جامع ترین ذخیرہ سمجھی جاتی ہے، اسی طرح ان ہی کی کتاب ہے ”الْكَافِي الشَّافِي فِي تَخْرِيجِ أَحَادِيثِ الْكَشَافِ“۔

۲۔ اور علامہ نور الدین بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ”مَوَارِدُ الظُّمآنِ إِلَى ذَوَائِدِ ابْنِ حَبَّانٍ“ جس میں صحیح ابن حبان کی صرف وہ احادیث جمع کی گئی ہیں جو صحیحین میں موجود نہیں ہیں۔

۳۔ مقدمہ لامع الدراری، ص ۱۸۳۔ کشف الظنون، ص ۴۰۰۔

اٹھارہویں قسم ”مسللات“

کسی سند کے رواۃ کسی ایک چیز (چاہے قولی، فعلی، حالی، مقامی) میں متفق ہوں تو وہ مسلسل کہلاتی ہے، مثلاً:

”سَمِعْتُ فُلَانًا يَقُولُ أَشْهَدُ بِاللَّهِ لَقَدْ حَدَّثَنِي الخ“

یا:

”دَخَلْنَا عَلَى فُلَانٍ فَأَطْعَمَنَا تَمْرًا وَمَاءً الخ“

وغیرہ۔ اس فن پر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جس کا نام ہے ”الْفَضْلُ الْمُبِينُ فِي الْمُسْلَسِلِ مِنْ حَدِيثِ النَّبِيِّ الْأَمِينِ“۔

انیسویں قسم ”ثلاثیات“

وہ روایت جس میں محدث اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان تین راوی ہوں، مثلاً ثلاثیات امام بخاری، ثلاثیات امام دارمی وغیرہ۔

۱۔ ابوبکر بن شاذان، ابویعیم اور مستغفری وغیرہ نے بھی مسلمات لکھی ہیں۔

(الرسالة المستطرفة، ص ۶۹)

حافظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے دو مسلمات لکھی ہیں۔

(لامع الدراری: ۱۸۶/۱، کشف الظنون: ۱۶۷۷/۲)

۲۔ بخاری میں بائیس ثلاثی روایات ہیں۔ ان میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے دو شاگرد کی بن ابراہیم رحمہ اللہ تعالیٰ سے گیارہ اور ابو عاصم انہیل ضحاک بن مخلد رحمہ اللہ تعالیٰ سے چھ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ و امام زفر رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگرد محمد بن عبد اللہ انصاری رحمہ اللہ تعالیٰ سے تین۔ اسی طرح بائیس میں سے حنفی مشائخ سے بیس روایات لی گئیں ہیں۔ باقی دو روایتوں میں سے ایک خالد بن یحییٰ کوئی رحمہ اللہ تعالیٰ سے، دوسری عصام بن خالد حمصی رحمہ اللہ سے لی گئی ہیں۔ ان کے متعلق یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ حنفی ہیں یا نہیں؟ یہ بائیس روایات سند کے اعتبار سے بائیس ہیں لیکن بلحاظ متن سترہ ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی ثلاثیات کو بڑی اہمیت دی جاتی ہے، لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ جن کی زیادہ تر روایات ثلاثی ہیں اور بکثرت ثلاثی، جیسا کہ ”مَسَانِيدُ اِمَامِ اَعْظَمَ“ اور ”کِتَابُ

الآثار“ سے ظاہر ہے اور امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ روایتِ تابعی بھی ہیں اس لئے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی انہوں نے زیارت کی ہے، بلکہ روایت بھی ان کو تابعی کہا گیا ہے، اگرچہ اس میں اختلاف ہے، اس کے باوجود امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی ثنائی اور ثلاثی روایت کو صحیح اہمیت نہیں دی جاتی جو شکایت کی بات ہے۔

بخاری کے علاوہ ”ابن ماجہ“ میں پانچ ثلاثی روایات ہیں۔ (ص ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۸، ۲۳۹) (۳۱۷) ”ترمذی“ میں ایک روایت ہے۔ (۵۲/۲، رقم ۲۲۶۰) مسلم، ابوداؤد اور نسائی میں کوئی روایت ثلاثی نہیں۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کو ”مرفاۃ“ کے مقدمہ میں وہم ہوا ہے اور انہوں نے ”ترمذی“ کی روایت کو ثنائی کہہ دیا جب کہ وہ ثلاثی ہے۔ کتاب الفتن کی روایت ہے:

”يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ الصَّابِرُ فِيهِمْ عَلَى دِينِهِ كَمَا لَقَابِضَ عَلَى الْجَمْرِ“
(جامع ترمذی: ۵۲/۲، رقم ۲۲۶۰)

لیکن جب ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ بحکوة کی شرح کرتے ہوئے اس حدیث پر پہنچے تو انہوں نے ”ترمذی“ کی اس روایت کو ثلاثی لکھا ہے۔ (مرقاۃ: ۱۰/۹۸) اور یہی صحیح ہے۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ سے مقدمہ مرفاۃ میں اس مقام پر ایک دوسرا سہوا ہوا ہے، انہوں نے مسلم اور ابوداؤد کے بارے میں اشارہ کیا ہے کہ ان دونوں میں بھی ثلاثی روایات موجود ہیں، (مرقاۃ: ۲۳/۱) حالانکہ مسلم اور ابوداؤد میں کوئی ثلاثی روایت موجود نہیں، البتہ ابوداؤد میں ایک روایت رباعی فی حکم ثلاثی موجود ہے، (ابوداؤد: ۲/۲۹۷) یعنی مصنف سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک چار واسطے ہیں، لیکن ان میں دو راوی ایک ہی طبقے کے ہیں یعنی تابعی ہیں، تو اتحاد طبقے کی وجہ سے حکماً ثلاثی کہا جاتا ہے اور اصطلاح میں اس کا نام ”رباعی فی حکم الثلاثی“ ہے۔ مسلم میں کوئی روایت ثلاثی نہیں، البتہ امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ کی دوسری بعض کتابوں میں ثلاثی روایت موجود ہے۔

بخاری اور مسلم کی سب سے نازل سند وہ ہے جس میں مصنف اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک نو واسطے ہیں، ایسی سند کو تسامی کہا جاتا ہے۔ ترمذی اور نسائی کی سند نازل عشراری ہے۔ (تدریب الراوی: ۱۶۶/۲، ترمذی محققہ ابراہیم عطوہ عوض: ۱۶۷/۵، نسائی: ۱۵۵/۱) یعنی مصنف سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک دس واسطے ہیں۔ ابوداؤد کی سند نازل ثنائی ہے۔ مسند احمد بن حنبل میں صاحب عقود والآلی کے بقول ۳۳۷ سندیں ثلاثی ہیں۔

(عقود الآلی فی الأسانید العوالی ص ۱۲۷)

بیسویں قسم ”امالی“

امالی یہ الماء کی جمع ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ شیخ درمیان میں بیٹھ جائے اور ان کے شاگرد ان کے ارد گرد قلم دوات اور کاغذ لے کر بیٹھ جائیں۔ پھر شیخ تقریر و درس دے اور تلامذہ اس کو لکھ لیں، پھر وہ ایک کتاب بن جاتی اس کا نام ”امالی“ رکھ دیتے ہیں۔ پہلے یہی دستور تھا۔ اس میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی ”امالی“ ہے۔

اکیسویں قسم ”مختصر“

کسی مؤلف کی تالیف کردہ کتاب کو لے کر مختصر کر دیا جائے، جیسے منذری رحمہ اللہ تعالیٰ کی ”مختصر سنن ابی داؤد“ اور قرطبی کی ”مختصر صحیح مسلم“ وغیرہ۔

بائیسویں قسم ”شرح الآثار“

حدیث میں آنے والا کوئی لفظ کثیر الاستعمال ہے لیکن اس کے مدلول کی تعیین میں وقت ہے تو اس کے لئے اس نوع کی ضرورت پیش آئے گی۔ اس میں بھی علماء نے کافی تصانیف چھوڑی ہیں، مثلاً ”شرح معانی الآثار“ للطلحاوی، اسی طرح ”مشکل الآثار“ وغیرہ۔

تیسویں قسم ”اسباب الحدیث“

اس میں حدیث کا شان و روضہ، اس کی جگہ اور زمانہ بتلایا جاتا ہے۔ اس فن میں سہ جب طباعت کا رواج عام ہو گیا تو احادیث کی تدریس کے لئے الماء کی ضرورت باقی نہ رہی، لیکن احادیث کی تشریح اور اس کے تعلقات جو استاذ بطور تقریر بیان کرتا ہے اسے قلم بند کرنے کا دستور اب تک جاری ہے اور آج کل انہی تقاریر کو ”امالی“ کہتے ہیں۔ اس نوع کی بہت سے تقاریر شائع ہو چکی ہیں جیسے: فیض الباری، الکوکب الدر، لامع الدراری، درس ترمذی، تقریر بخاری، نفعات التنقیح، کشف الباری عما فی صحیح البخاری وغیرہ۔

سب سے پہلے حامد جربانی نے اور پھر ابو حفص عکمری نے تصنیف کی ہے۔ ابن حزمہ حسینی کی کتاب ”الْبَيَانُ وَالتَّعْرِيفُ فِي اَسْبَابِ وُرُودِ الْحَدِيثِ“ بھی ہے جو مصر میں چھپ چکی ہے۔

چوبیسویں قسم ”ترتیب“

متقدمین کی اکثر تصانیف غیر مرتب تھیں، متاخرین نے اس پر سعی و کوشش کر کے ان کو مرتب کیا، مثلاً ابوالحسن حسینی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ترتیب ”اَطْرَافُ الْمُؤْمِنِ عَلَى الْاَلْفَاظِ“ اور حافظ مغطائی کی ترتیب ”الْمُبَهَمَاتُ عَلَى الْاَبْوَابِ“ وغیرہ۔

پچیسویں قسم ”تالیف علی حروف المعجم فی الفاظ الحدیث“

یعنی حدیث کی ابتداء کس لفظ سے ہوئی، اگر حرف الف سے ہوئی ہے تو پہلے ان کو اور اگر حرف باء سے ہوئی ہے تو ان کو و علیٰ ہذا القیاس۔ اس میں اور چوتھی قسم میں فرق یہ ہے کہ وہ سند کے اعتبار سے تھی اور یہ متن کے لحاظ سے۔ اس نوع میں بیسیوں تصنیفات موجود ہیں علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ”جامع صغیر“ دیلمی کی ”مسند فردوس“ سخاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ”مقاصد حسنه“ وغیرہ۔

۱۔ حدیث میں اس کی وہی حیثیت ہے جو تفسیر میں اسباب النزول کی ہے، یعنی اس میں قولی احادیث کا سبب ورود بیان کیا جاتا ہے۔ مولانا تقی صاحب مدظلہ نے اس فن پر پہلی تصنیف امام ابو حفص عکمری کی بتلائی ہے، پھر حامد بن کرنزی رحمہ اللہ تعالیٰ کی۔ صاحب کشف الظنون کے بقول ہمارے دور میں اس نوع کی صرف ایک کتاب باقی رہ گئی ہے جس کا نام ہے ”البیان والتعریف فی اسباب ورود الحدیث الشریف“ یہ علامہ ابراہیم بن محمد الشہیر باہن الحرمۃ الحسینی دمشقی الحنفی کی تالیف ہے۔

۲۔ اور جیسے ”تَرْتِيبُ مَسْنَدِ اَحْمَدَ عَلَى الْحُرُوفِ لِابْنِ كَثِيرٍ“ اور ”تَرْتِيبُ مَسْنَدِ اَحْمَدَ عَلَى الْحُرُوفِ لِابْنِ الْمُجِيبِ“ اسی طرح آخری دور میں علامہ ابن السعانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مسند احمد کو ”الفتح الروانی“ کے نام سے ابواب کی ترتیب پر مرتب کیا ہے۔

چھبیسویں قسم ”موضوعات“

یہ نوع حدیث کی اہم انواع میں سے ہے، یعنی وہ کتابیں جو موضوع اور من گھڑت حدیثوں کو بیان کرنے کے لئے لکھی گئیں ہیں۔ اس باب میں ابن جوزی

۱۔ شروع میں کتب موضوعہ اس انداز سے لکھی جاتی تھیں کہ ضعیف راویوں کا تذکرہ کیا جاتا تھا اور ان سے جو موضوع یا ضعیف احادیث مروی ہیں ان کی نشاندہی کی جاتی تھی۔ حافظ ابن عدی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ”الکامل“ امام عقیلی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ”الصنعفاء“ اور امام جوزقانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ”الاباطیل“ اسی انداز پر ہیں۔

بعد میں موضوعات کا طریقہ یہ ہو گیا کہ موضوع یا معجم بالوضع احادیث کو ابواب کی ترتیب سے یا حروف تہجی کی ترتیب سے ذکر کر کے یہ بتایا جاتا ہے کہ ان کو کس نے روایت کیا ہے اور اس میں سند کیا نقص ہے، اس موضوع پر سب سے پہلے ابن الجوزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے قلم اٹھایا۔ ان کی دو کتابیں ہیں، ایک ”الْعِلَلُ الْمُتَنَاهِيَةُ فِي الْاَخْبَارِ الْوَاهِيَةِ“ دوسری ”الْمَوْضُوعَاتُ الْكُبْرَى“ ان میں دوسری آج بھی دستیاب ہے، لیکن اہل علم کا اتفاق ہے کہ علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ تعالیٰ احادیث پر وضع کا حکم لگانے میں نہایت تشدد ہیں اور انہوں نے بہت سی صحیح احادیث کو بھی موضوع قرار دے دیا ہے، اس لئے بعد کے محقق علماء نے ان کی کتابوں پر تنقیدیں لکھیں، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید میں ”القول المسدد فی الذب عن مسند احمد“ میں ان کی بہت اچھی تردید کی ہے۔ اس میں حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”مسند احمد“ کی ان احادیث کی تحقیق کی ہے جنہیں ابن الجوزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے موضوع قرار دیا ہے اور بتایا ہے کہ جن احادیث پر ابن الجوزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے موضوع ہونے کا حکم لگایا ہے ان میں سے ایک حدیث صحیح مسلم میں بھی موجود ہے اور ایک حدیث بخاری کی احمد شاکر والے نسخہ میں بھی ہے اور ایسی احادیث تو بہت سی ہیں جو امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے تعلیقاً روایت کی ہیں اور ابن الجوزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے انہیں موضوع قرار دے دیا ہے۔

پھر علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابن الجوزی رحمہ اللہ تعالیٰ کی موضوعات پر ایک مفصل تنقید لکھی جس کا نام ”النکت البدیعات علی الموضوعات“ رکھا بعد میں اس کی تکمیل کی اور اس میں کچھ اضافے کئے جو ”اللائلی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ“ کے نام سے معروف ہے، لیکن علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ حدیث کے معاملہ میں قدرے تسال ہیں، اس لئے بعض ضعیف یا منکر احادیث کو بھی صحیح قرار دے دیتے ہیں۔

علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ تعالیٰ کے بعد حافظ صنعانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی موضوعات بھی بہت مقبول

امام ہیں۔ انہوں نے سب سے پہلے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔

اور بھی بیشار تصانیف اس موضوع پر ہیں، مثلاً قاضی شوکانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ”الفوائد المجموعۃ فی بیان الاحادیث الموضوعۃ“ ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی ”موضوعات کبیر“ علامہ محمد طاہر بٹنی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ”تذکرۃ الموضوعات“ اور علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ”اللاہی المصنوعۃ“ وغیرہ۔

ستا یسیوس قسم ”الکتب المولفۃ فی الادعیۃ الماثورۃ“

یعنی وہ کتابیں جن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو دعائیں مروی ہیں ان کو جمع کیا گیا ہو۔ اس میں زیادہ مشہور حافظ احمد ابن اسنی رحمہ اللہ کی ”عمل الیوم واللیلۃ“ اور شیخ محمد بن محمد جزری رحمہ اللہ کی ”الحصن والحصین“ اور ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی ”الْحَبْرُ الْأَعْظَمُ وَالْوَرْدُ الْأَفْحَمُ“ ہے۔

اٹھائیسویں قسم ”ناسخ و منسوخ“

یعنی وہ کتاب جس میں یہ بتلایا گیا ہو کہ کونسی حدیث منسوخ ہے اور کونسی ناسخ۔

ہوں گے۔ علامہ ابن الجوزی اور علامہ سیوطی رحمہم اللہ تعالیٰ کے بعد بہت سے حضرات نے موضوعات پر کتابیں لکھیں، جن میں ملا علی قاری رحمہ اللہ کی ”الموضوعات الکبریٰ“ نہایت مقبول و معروف ہے۔ آخری دور میں قاضی شوکانی رحمہ اللہ کی ”الفوائد المجموعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ“ اور علامہ طاہر بٹنی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ”تذکرۃ الموضوعات“ مختصر مگر مفید کتابیں ہیں۔

اس نوع کا جامع ترین کام علامہ ابن عراقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے انجام دیا۔ انہوں نے اپنی کتاب ”تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ عن الاحادیث الشنیعۃ الموضوعۃ“ میں ابن جوزی، جوزقانی، عقلی، حافظ ابن حجر، علامہ سیوطی اور ملا علی قاری رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی تمام کتابوں کو جمع کر دیا ہے اور ہر حدیث کی خوب تحقیق کی ہے۔ اس طرح ان کی کتاب جامع ترین بھی ہے اور محقق ترین بھی، جو بسا اوقات پچھلی تمام کتابوں سے مستثنیٰ کر دیتی ہے۔ اس کتاب میں علامہ ابن عراقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابن جوزی، جوزقانی اور سیوطی رحمہم اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ احادیث میں سے صرف ان احادیث کو جمع کیا ہے جو فی الواقع موضوع ہیں۔

ایک فقیہ کے لئے اس کا جاننا نہایت ضروری ہے۔ اس موضوع پر علامہ حازی کی کتاب ”کِتَابُ الْاِغْتِبَارِ فِی النَّاسِخِ وَالْمَنْسُوحِ مِنَ الْاَثَارِ“ مشہور ہے۔ یہ کتاب حیدرآباد میں چھپ چکی ہے۔

اٹھائیسویں قسم ”تتشابه الحدیث“

یعنی وہ کتاب جس میں تشابہات احادیث کے قبیل کی چیزیں ہوں ان کو جمع

۳۰..... حضرت استاذ مدظلہم نے یہ آئیس تیس تیس بیان فرمائی ہیں، مزید چند اقسام ان میں شامل کی جاتی ہیں:
۳۱..... شروح الحدیث: یعنی وہ کتابیں جن میں کسی حدیث کی کتاب کی شرح کی گئی ہو، مثلاً ”فتح الباری“ ”عمدة القاری“ وغیرہ۔

۳۲..... کتب المصاحف: ان کتابوں کو کہتے ہیں جن میں قرآن کریم کی جمع و ترتیب، اختلاف قرأت اور اختلاف نسخ کی تاریخ بیان کی جاتی ہے، مثلاً ابن عامر کی ”کتاب المصاحف“ اس کے علاوہ بہت سے لوگوں نے ”کتاب المصاحف“ کے نام سے کتابیں لکھی ہیں، جن میں ”کتاب المصاحف لابن اشتہ“ ”کتاب المصاحف ابن ابی داؤد“ ”کتاب المصاحف لابن الانباری“ زیادہ مشہور ہیں۔ لیکن آج ان میں صرف ایک کتاب موجود ہے ”کتاب المصاحف لابن ابی داؤد“ جو امام ابوداؤد صاحب السنن رحمہ اللہ تعالیٰ کے صاحبزادے کی تالیف ہے اور کچھ عرصہ پہلے اسے ایک انگریز مستشرق نے شائع کیا ہے۔

۳۳..... الفہارس: وہ کتب حدیث جن میں ایک یا زائد کتابوں کی احادیث کی فہرست جمع کر دی گئی ہو، تاکہ حدیث کا نکالنا آسان ہو، مثلاً علامہ زاہد الکوثری رحمہ اللہ تعالیٰ کے ایک شاگرد نے ”فہارس البخاری“ کے نام سے ایک بڑی مفید کتاب لکھی ہے، جس کی ذریعہ بخاری سے حدیث نکالنا بہت آسان ہو گیا ہے۔ اس سلسلہ کا ایک جامع اور مفید کام اللہ تعالیٰ نے مستشرقین کی ایک جماعت سے لیا، جس نے ”ڈاکٹر وینٹک“ کی سربراہی میں سات ضخیم جلدوں پر مشتمل ایک مفصل کتاب مرتب کی ہے، جس کا نام ہے ”المعجم المفہرس لا لفاظ الحدیث النبوی“ جس میں انہوں نے صحاح ستہ، مؤطا امام مالک، سنن دارمی اور مسند احمد کی احادیث کی فہرست مرتب کی ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ حرف تہجی کے حساب سے انہوں نے ہر لفظ کے تحت یہ بیان کیا ہے کہ یہ لفظ کون سی حدیث میں آیا ہے اور وہ حدیث کہاں کہاں مذکور ہے، البتہ اس کتاب میں یہ لوگ احادیث کے استیعاب پر قادر نہیں

ہو سکے بلکہ بہت سی احادیث چھوٹ گئی ہیں، پھر اسی کتاب کی ایک تلخیص ”ویٹک“ ہی نے ”مفتاح کنوز السنہ“ کے نام سے شائع کی ہے جو مختصر ہونے کی وجہ سے انتہائی مفید ہے اور ہر طالب علم کے لئے ناگزیر ہے۔

۳۱..... کتب الجمع: ان کتابوں کو کہتے ہیں جن میں ایک سے زائد کتب حدیث کی روایتوں کو بحذف تکرار جمع کر دیا جائے۔ اس نوع کی سب سے پہلی کتاب امام حیدری رحمہ اللہ تعالیٰ کی ”الجمع بین الصحیحین“ ہے۔ ان کے بعد حافظ رزین بن معاویہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”تجرید الصحاح الستہ“ لکھی جن میں صحاح ستہ کی تمام احادیث کو جمع کیا گیا، البتہ ان کی اصطلاح میں ”ابن ماجہ“ کی بجائے ”مؤطا امام مالک“ صحاح ستہ میں شامل تھی، اسی لئے انہوں نے اپنی کتاب میں ”ابن ماجہ“ کے بجائے ”مؤطا امام مالک“ کو شامل کیا۔ ان کے بعد حافظ ابن اثیر جزری نے ”جامع الاصول“ کے نام سے ایک کتاب لکھی، جس میں صحاح ستہ کی احادیث کو جمع کیا گیا اور حافظ رزین بن معاویہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے جو احادیث چھوٹ گئی تھیں ان کو بھی شامل کر لیا، لیکن ان کی اصطلاح میں بھی ”مؤطا امام مالک“ صحاح ستہ میں شامل تھی نہ کہ ”ابن ماجہ“۔ ان کے بعد علامہ نور الدین ہاشمی رحمہ اللہ تعالیٰ تشریف لائے اور انہوں نے ”مجمع الزوائد و منبع الفوائد“ کے نام سے ایک ضخیم کتاب لکھی اور اس میں مسند احمد، مسند بزار، مسند ابی یعلیٰ اور امام طبرانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ”معاجم ثلاثہ“ کی ان زائد احادیث کو یک جا کر دیا جو صحاح ستہ میں نہیں آئیں، لیکن علامہ ہاشمی رحمہ اللہ تعالیٰ کی اصطلاح میں ”ابن ماجہ“ صحاح ستہ میں شامل تھی نہ کہ ”مؤطا امام مالک“ اس لئے انہوں نے ”مجمع الزوائد“ میں ”ابن ماجہ“ کی احادیث نہیں لیں، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابن ماجہ کی احادیث نہ ”جامع الاصول“ میں جمع ہو سکیں نہ ”تجرید الصحاح الستہ“ میں اور نہ ہی ”مجمع الزوائد“ میں۔

ان کے بعد علامہ محمد بن سلیمان نے ”جمع الفوائد من جامع الاصول و مجمع الزوائد“ کے نام سے ایک کتاب لکھی، جس میں ایک طرف تو ”جامع الاصول“ اور ”مجمع الزوائد“ کی تمام احادیث کو بحذف تکرار جمع کر دیا، نیز ”ابن ماجہ“ جو ان دونوں سے چھوٹ گئی تھی اس کی روایات بھی لے لیں، بلکہ اس کے علاوہ ”سنن دارمی“ کی روایات بھی جمع کر دیں، اس طرح یہ کتاب چودہ (۱۴) کتب احادیث کا مجموعہ بن گئی، بلاشبہ ”جمع الفوائد“ اپنے اختصار کے باوجود احادیث کا بڑا جامع مجموعہ ہے، لیکن احقر کا تجربہ یہ ہے کہ اس میں بہت سی احادیث چھوٹ گئی ہیں اور اگر کوئی حدیث اس میں نہ ملے تو یہ سمجھنا غلط ہوگا کہ یہ چودہ کتابوں میں بھی نہیں ہے۔

اب تک ”کتب الجمع“ کے تحت ہم نے جن کتابوں کو ذکر کیا یہ ساری کتابیں ابواب کی

ترتیب پر لکھی گئی ہیں، بعض حضرات نے احادیث کو حروف تہجی کی ترتیب سے بھی جمع کیا ہے۔ اس نوع کی سب سے پہلی کتاب ”فردوس المدینمی“ ہے، لیکن یہ کتاب نایاب ہے۔ اس کے بعد علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”جمع الجوامع“ کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں پورے ذخیرہ احادیث کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے، اس میں انہوں نے قولی احادیث کو حروف تہجی کی ترتیب سے جمع کیا ہے، اور فعلی احادیث کو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ترتیب سے، پھر علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ ہی نے اس کتاب کی تلخیص کی ”الجامع الصغیر فی احادیث البشیر النذیر صلی اللہ علیہ وسلم“ اس کتاب میں تمام موجود کتب حدیث میں سے قولی احادیث کو حروف تہجی کی ترتیب سے جمع کر دیا گیا ہے، ”جمع الجوامع“ تو آج کل نایاب ہو چکی ہے، لیکن ”الجامع الصغیر“ مروج ہے اور اس میں ہر حدیث کے ساتھ اس کے حوالہ کے علاوہ اس کی اسنادی حیثیت بھی اس طرح متین کی گئی ہے کہ صحیح کے لئے ”صحیح“ ضعیف کے لئے حرف ”ض“ اور حسن کے لئے حرف ”ح“ لکھ دیا گیا ہے، لیکن مولانا عبدالحی کھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”الاجوبۃ الفاضلہ“ میں (ص ۱۲۷ پر) لکھا ہے کہ یہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے نہیں لگائیں، بلکہ ان کے بعد کسی عالم نے لگائی ہیں۔

”الجامع الصغیر“ کی متعدد شروح بھی لکھی گئی ہیں، جن میں علامہ مناوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ”فیض القدیر“ اور علامہ عزیزی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ”السراج المنیر“ مشہور اور متداول ہیں۔ ان دونوں میں سے علامہ مناوی رحمہ اللہ تعالیٰ تصحیح احادیث کے معاملہ میں زیادہ محتاط ہیں، ان کے برخلاف علامہ عزیزی رحمہ اللہ تعالیٰ قدرے تساہل ہیں۔

اس سلسلے میں سب سے زیادہ قابل قدر اور جامع کام علامہ علی التیمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کیا۔ ان کی کتاب ”کنز العمال فی سنن الاقوال و الافعال“ ہے جسے بلاشبہ احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جامع ترین کتاب کہنا چاہئے۔ انہوں نے اپنی اس کتاب کو علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ”جمع الجوامع“ پر مبنی کیا ہے، یعنی پہلے ہر باب کی وہ قولی احادیث جمع کیں جو ”جمع الجوامع“ میں موجود تھیں، اس کے بعد وہ قولی احادیث جمع کیں جو علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ سے چھوٹ گئی تھیں اور ان کا نام ”الاکمال فی سنن الاقوال“ رکھا، پھر ”جمع الجوامع“ کی فعلی احادیث کو جو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ترتیب پر تھیں ابواب کی ترتیب پر مرتب کیا اور اس مجموعہ کا نام ”کنز العمال“ ہے۔ اس میں ہر حدیث کے ساتھ اس کے مأخذ کا حوالہ رموز میں دیا ہے، جیسے بخاری کے لئے ”خ“ اور مستدرک کے لئے ”مک“ وغیرہ۔ علامہ علی التیمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی اس کتاب میں تقریباً تیس (۳۰) کتب حدیث کو جمع کر دیا ہے، اس طرح یہ کتاب کسی حدیث کی تحقیق کے لئے بے نظیر رہنما کی حیثیت

کر دیا گیا ہو۔ حافظ شمس الدین محمد بن اللبان نے اس موضوع پر تصنیف فرمائی ہے۔

طبقات کتب حدیث

طبقات کتب حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اس میں وہ کتابیں مذکور ہیں جن کے

رہتی ہے۔

۳۵..... کتاب الاحکام: ان کتابوں میں مسائل فقہیہ کے متعلق روایات ذکر کی جاتی ہیں، جیسے صحاح ستہ اور حافظ عبدالحق رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ”الاحکام الصغریٰ“ اور ”الاحکام الکبریٰ“ اور عبد الغنی مقدسی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ”عمدة الاحکام“ (سیر اعلام النبلاء: ۱۹۹/۲، کشف الظنون، ۱۱۶۴/۲)

۳۶..... کتاب التاریخ: یہ وہ قسم ہے جس میں تاریخی مواد سے متعلق روایات کو درج کیا جاتا ہے، پھر اس کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جس میں ابتدائے خلق سے لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تک کے واقعات ذکر کئے جاتے ہیں، جیسے امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ”بدء المخلوقات“ اور دوسری قسم وہ ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق تاریخی مواد پیش کیا جاتا ہے، جیسے ”سیرت ابن ہشام“ اور ”مغازی محمد بن اسحاق“۔ (عجالة نافعه، ص ۱۲، فوائد جامعہ، ص ۱۳۷)

۳۷..... کتاب الزہد: ایسے مضامین کی روایات جن سے قلب میں رقت پیدا ہوتی ہے اور فکر آخرت کا جذبہ بیدار ہوتا ہے، اس باب میں عبد اللہ بن مبارک، امام احمد بن حنبل، امام بخاری، امام ابو داؤد، امام ترمذی اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم وغیرہ کی کتابیں ہیں۔

۳۸..... کتاب الآداب: کھانے پینے، سونے جاگنے، رفتار و گفتار کے متعلق روایتیں ذکر کی جائیں، امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی ”الادب المفرد“ اس سلسلے کی مشہور کتاب ہے۔

۳۹..... کتاب الفتن: فتنوں کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث ذکر کی جائیں، جیسے نعیم بن حمار رحمہ اللہ تعالیٰ کی ”کتاب الفتن والملاح“ (کشف الظنون: ۱۴۴۵/۲)

۴۰..... کتاب المناقب: کسی قوم یا جماعت یا فرد سے متعلق فضائل کی روایات جمع کی جائیں، جیسے امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ”خصائص علی“ (کشف الظنون: ۷۰۶/۱)

اور محبت الدین الطبری متوفی ۶۹۳ھ کی ”الریاض النضرۃ فی فضائل العشرۃ“

(کشف الظنون: ۹۳۷/۱)

۴۱..... کتاب العقائد: جس میں عقائد کی احادیث ذکر کی جائیں، جیسے بیہقی رحمہ اللہ کی ”کتاب الاسماء والصفات“ اور ابن خزیمہ رحمہ اللہ کی ”کتاب التوحید“ اور امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی

متعلق اجنبی کے واسطے یہ امتیاز کرنا مشکل ہے کہ ان میں سے ہم کن کتابوں کی احادیث پر اعتماد کریں اور کن پر نہیں، اس لئے اب اس کی بڑی ضرورت ہے کہ کتب حدیث کے طبقات بھی ذکر کر دیئے جائیں۔

اس لئے غور سے سنو کہ! حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”عجالة نافعه“ میں کتب حدیث کی چار قسمیں اپنے والد محترم حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے اتباع میں بیان فرمائی ہیں، مگر خود شاہ عبدالعزیز نے اپنی دوسری کتاب ”مایجب حفظہ للنظار“ میں پانچ قسمیں بیان کر دیں۔

یہ بظاہر ایک تعارض ہے، لیکن حقیقت میں یہ کوئی تعارض نہیں کیونکہ ”عجالة نافعه“ میں جو تقسیم ہے وہ شہرت و صحت ہر دو اعتبار سے ہے اور ”مایجب حفظہ للنظار“ میں جو تفصیل ہے وہ صرف صحت کے اعتبار سے ہے، کیونکہ بہت سی کتب ایسی ہیں جو صحیح تو خوب ہیں مگر درجہ شہرت کو نہیں پہنچیں، جیسے ”صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان، منقی الجارود“ وغیرہ اور بعض کتابیں ایسی ہیں جو زیادہ صحیح تو نہیں ہیں لیکن شہرت ان کی خوب ہے جیسے ”ابن ماجہ“ وغیرہ۔ ہم اس جگہ ”عجالة نافعه“ کی پوری عبارت نقل کرتے ہیں:

”جاننا چاہیے کہ حدیث کی کتابیں صحت، شہرت اور قبولیت کے اعتبار سے کئی طبقوں پر مشتمل ہیں۔ صحت سے ہماری مراد یہ ہے کہ مؤلف کتاب نے اس بات کی پابندی کی ہو کہ وہ صحیح یا حسن حدیثوں کے سوا اور کوئی حدیث اس میں درج نہیں کرے گا اور اگر اس میں کوئی ایسی حدیث درج کرتا ہے اور ساتھ ساتھ وہ اس کے ضعف، غرابت، علت اور شذوذ کو بھی بتا دیتا ہے تو پھر کوئی حرج نہیں، کیونکہ ضعیف،

”خلق افعال العباد“ (مقدمہ لامع درازی: ۱۴۳، کشف الظنون: ۷۲۲/۱)

۱۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک شاگرد کو ایک مکتوب لکھا جو کہ ایک مختصر رسالہ کا حیثیت رکھتا ہے۔

غریب اور معلول حدیث کو اس کی خرابی کی وضاحت کے ساتھ کتاب میں درج کرنا کسی قسم کی قباحت کا موجب نہیں۔

شہرت سے ہماری مراد یہ ہے کہ محدثین کی جماعت یکے بعد دیگرے (ہر دور میں) اس کتاب کے ساتھ بطریق روایت، ضبط مشکل اور تخریج احادیث مشغول رہی ہوتی کہ اس کی کوئی چیز بیان ہوئے بغیر نہ رہ گئی ہو۔

قبولیت سے ہماری مراد یہ ہے کہ ناقدین حدیث اس کتاب کو تسلیم کریں اور اس پر اعتراض نہ کریں اور اس کتاب کی حدیثوں کے متعلق مؤلف کا حکم اور فیصلہ درست سمجھیں اور فقہاء بغیر اختلاف اور بلا تکلیف اس سے استدلال کریں۔

پہلا طبقہ

اس میں حدیث کی صرف تین کتابیں داخل ہیں

۱..... موطا امام مالک۔

۲..... صحیح بخاری۔

۳..... مسلم شریف۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”مَشَارِقُ الْأَنْوَارِ“ میں انہی تین کتابوں کی شرح کی ہے۔ یہ ”مَشَارِقُ الْأَنْوَارِ“ صغانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ”مَشَارِقُ الْأَنْوَارِ“ کے علاوہ ہے جس میں ”صحیح بخاری“ اور ”صحیح مسلم“ کی حدیثوں کو ان کی سند اور قصے حذف کر کے جمع کیا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان تینوں کتابوں کی حدیثوں کی شرح اور ضبط اسماء کے لئے قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ”مَشَارِقُ الْأَنْوَارِ“ کافی و شافی ہے۔

ان تینوں کتابوں میں باہم نسبت یہ ہے کہ ”موطا امام مالک“ گویا صحیحین کی اصل اور اس کا ماخذ ہے اور اس کی شہرت بھی کمال کو پہنچی ہوئی ہے۔ امام مالک رحمہ

اللہ تعالیٰ کے زمانہ ہی میں آپ سے ایک ہزار علماء نے ”موطا“ کی روایت کی ہے، جیسے امام شافعی، امام محمد، یحییٰ ابن یحییٰ مصمودی، یحییٰ بن یحییٰ قتیبی، یحییٰ بن بکیر، ابو مصعب اور قعنبنی رحمہم اللہ تعالیٰ جمعین وغیرہ۔

نیز اس کتاب کی عدالت و ضبط رجال پر سب کا اجماع ہے اور یہ مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، عراق، شام، یمن، مصر اور دیار مغرب میں مشہور ہے اور (بکثرت) شہروں کے فقہوں کا مدار اسی کتاب پر ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے زمانہ میں اور آپ کے بعد بھی علماء نے ”موطا“ کی حدیثوں کی تخریج، اس کے متابعات، اور شواہد کے جمع کرنے میں بڑی کوششیں کی ہیں اور اس کے الفاظ غریبہ کی شرح ضبط مشکلات اور ان کی وضاحت فقہانہ مسائل کا بیان، حدیث کی سندیں اور طریق روایت کے بیان میں اتنا اہتمام کیا ہے کہ اس سے زیادہ کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

”صحیح بخاری“ اور ”صحیح مسلم“ بسط و تفصیل اور حدیثوں کی تعداد کے اعتبار سے ہر چند ”موطا“ سے دس گنی زیادہ ہوں گی، لیکن حدیثوں کی روایت کا طریقہ، راویوں کے جانچ پڑتال کا ڈھنگ، اعتبار اور استنباط کا اسلوب ”موطا“ ہی سے سیکھا ہے، مگر اس کے باوجود یہ دونوں کتابیں تمام فرق اسلامیہ اور علماء اسلام کی مخدوم ہیں، محدثین کی ایک جماعت نے ان کی مستخرجات لکھی ہیں، جیسے اسماعیلی اور ابو عوانہ اور بعض محدثین نے ان کے الفاظ غریبہ کے شرح لکھی ہے، مشکل الفاظ اور اسماء کو ضبط کیا ہے، مشکل مقامات کو حل کیا ہے، مسائل فقہیہ کو بیان کیا ہے، اور راویوں کے حالات قلمبند کئے ہیں۔ غرض یہ کہ دونوں کتابیں شہرت اور قبولیت کے درجہ کو پہنچ گئیں ہیں۔ صاحب جامع الاصول نے فربری سے نقل کیا ہے کہ نوے ہزار علماء نے امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ سے ”بخاری“ کا سماع کیا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ ان تینوں کتابوں کی حدیثیں سب سے زیادہ صحیح حدیثیں ہیں، اگرچہ ان میں بعض حدیثیں بعض کی بنسبت زیادہ صحیح ہیں اور گہری نظر سے دیکھا

جائے تو ”موطا“ کی اکثر مرفوع حدیثیں ”صحیح بخاری“ میں موجود ہیں، اس اعتبار سے گویا ”صحیح بخاری“ ”موطا“ کی جامع ہے، البتہ آثار صحابہ و تابعین ”موطا“ میں زیادہ ہیں، لہذا ان تینوں کتابوں کو طبقہ اولیٰ میں رکھنا چاہئے۔

دوسرا طبقہ

اس میں حدیث کی وہ تمام کتابیں داخل ہیں جن کی حدیثیں ان تینوں صفتوں (صحت، شہرت اور قبولیت) میں ”صحیح بخاری“ اور ”صحیح مسلم“ کے درجہ کو نہ پہنچ سکی ہوں، لیکن مذکورہ بالا صفات میں وہ ان کے قریب قریب ہیں، جیسے جامع ترمذی، سنن ابوداؤد اور سنن نسائی کی حدیثیں ہیں کہ ان کے مؤلفین کا وثوق عدالت، حفظ وضبط اور فن حدیث میں تبحر مشہور ہے، اور ان کے مؤلفین نے ان کتابوں میں تساہل اور تسامح کو ہرگز روا نہیں رکھا ہے اور جہاں تک ہو سکا حدیث کی حالت اور علت بیان کر دی ہے۔ اسی لئے علماء اسلام میں انہیں شہرت حاصل ہے اور ان چھ کتابوں کو صحاح ستہ (چھ صحیح کتابیں) کہتے ہیں۔

ابن الاثیر نے ”جامع الاصول“ میں انہیں چھ کتابوں کی حدیثوں کو جمع کیا ہے اور الفاظ غریبہ کی شرح کی ہے، مشکلات کو ضبط کیا ہے، راویان حدیث کے ناموں اور دیگر متعلقات کو بھی وضاحت سے بیان کیا ہے۔ اس لحاظ سے گویا ”جامع الاصول“ ان چھ کتابوں کی شرح ہے، جیسے ”مشارك الانوار“ ان تینوں کتابوں (موطا، اور صحیحین) کی شرح ہے۔

صاحب جامع الاصول نے ”سنن ابن ماجہ“ کو صحاح میں شمار نہیں کیا ہے اور ”موطا“ کو صحاح میں چھٹی کتاب قرار دیا ہے اور یہی درست ہے، لیکن حضرت والدرحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

فقیر کے نزدیک ”مسند احمد“ دوسرے طبقہ میں داخل ہے اور وہی صحیح

حدیث کے سقیم حدیث سے پہچاننے میں اصل ہے اور مدار کی حیثیت رکھتی ہے اور اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ کس حدیث کی اصل ہے اور کس کی اصل نہیں ہے، اگرچہ ”مسند احمد“ میں ضعیف حدیثیں بھی بہت ہیں، جن کا حال بیان نہیں کیا ہے تاہم جو ضعیف حدیثیں ”مسند“ میں پائی جاتی ہیں وہ ان حدیثوں سے بہتر نظر آتی ہیں جن حدیثوں کی متاخرین نے تصحیح کی ہے، علماء حدیث و فقہ نے ان کو اپنا پیشوا بنایا ہے اور درحقیقت ”مسند“ فن حدیث میں ایک رکن اعظم ہے۔ اسی طرح ”سنن ابن ماجہ“ گو اس کی بعض حدیثیں نہایت ضعیف ہیں مگر اس کو بھی اسی طبقہ میں شمار کیا جاسکتا ہے۔

تیسرا طبقہ

اس طبقہ میں وہ حدیثیں داخل ہیں جنہیں علمائے متقدمین نے جو امام بخاری و امام مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ سے پہلے ہوئے ہیں یا جو ان کے معاصر تھے یا جو ان کے بعد ہوئے ہیں انہوں نے ان حدیثوں کو اپنی کتابوں میں روایت کیا ہے اور صحت کا التزام نہیں کیا ہے اور ان کی کتابیں شہرت اور قبولیت میں طبقہ اولیٰ اور ثانیہ تک پہنچ نہیں سکی ہیں، اگرچہ ان کتابوں کے مؤلفین علوم حدیث میں ماہر اور ثقہ تھے اور ضبط و عدالت کی صفات سے متصف تھے۔ ان کتابوں میں صحیح، حسن، ضعیف حدیثیں ہی نہیں پائی جاتی ہیں بلکہ بعض ایسی حدیثیں بھی موجود ہیں جن پر موضوع ہونے کا اتہام ہے اور ان کتابوں کی حدیثوں کے اکثر راوی عدالت کی صفت سے متصف ہیں۔ بعض مستور الحال اور بعض مجہول ہیں اور اکثر وہ حدیثیں ایسی ہیں جو فقہاء کے نزدیک معمول بہ نہیں ہیں، بلکہ اجماع اور امت کا عمل ان کے خلاف ہے۔ ان کتابوں میں بھی باہم فرق مراتب ہے، بعض کتابیں بعض سے قوی تر ہیں۔ ان کتابوں کے نام حسب ذیل ہیں:

مُسْنَدِ شَافِعِيٍّ، سُنَنِ ابْنِ مَاجَهَ، مُسْنَدِ دَارِمِيٍّ، مُسْنَدِ أَبِي
يَعْلَى الْمُؤَصِّلِيٍّ، مُصَنَّفِ عَبْدِ الرَّزَّاقِ، مُصَنَّفِ ابْنِ أَبِي
شَيْبَةَ، مُسْنَدِ عَبْدِ بَنِي حُمَيْدٍ، مُسْنَدِ أَبِي دَاوُدَ طَيْلَسِيِّ،
سُنَنِ دَارِقُطْنِيِّ، صَحِيحِ ابْنِ حِبَّانَ، مُسْتَدْرَكِ حَاكِمٍ،
كُتُبِ بَيْهَقِيِّ، كُتُبِ طَحَاوِيِّ، نَصَائِفِ طَبْرَانِيِّ.

چوتھا طبقہ

اس طبقہ میں وہ حدیثیں داخل ہیں جن کا قرون اولیٰ (دور صحابہ و تابعین) میں نام و نشان نہیں ملتا، مگر متاخرین علماء نے ان حدیثوں کو نقل کیا ہے ان کے متعلق دو ہی صورتیں ممکن ہیں، یا تو سلف صالحین نے ان کی چھان بین کی ہے اور انہیں اس کی کوئی اصل ملی کہ وہ ان کو روایت کرتے، یا اس کی کوئی اصل تو پائی مگر ان میں علت اور قباحت دیکھ کر روایت سے گریز کیا، بہر حال دونوں صورتوں میں ان حدیثوں پر سے اعتماد اٹھ گیا اور وہ اس قابل نہ رہیں کہ کسی عقیدہ یا عمل کے ثبوت کے لئے انہیں دلیل بنایا جائے، ایسی ہی باتوں کے لئے بعض مشائخ نے کیا خوب کہا ہے۔

فَإِنْ كُنْتَ لَا تَذَرِي فِتْنَكَ مُصِيبَةً
وَإِنْ كُنْتَ تَذَرِي فَالْمُصِيبَةُ أَعْظَمُ

ترجمہ: ”پس اگر تو نہیں جانتا تو یہ بھی مصیبت ہے، اور اگر جانتا ہے تو بہت بڑی مصیبت ہے۔“

اس قسم کی حدیثوں نے بہت سے محدثین کو غلطی میں مبتلا کیا ہے اور ان کتابوں میں حدیثوں کی بکثرت سندیں دیکھ کر دھوکا کھا گئے اور ان کے متواتر ہونے کا حکم لگا بیٹھے اور جزم و یقین کے مواقع پر طبقہ اولیٰ اور ثانیہ کی حدیثوں کو چھوڑ کر اس قسم کی حدیثوں کو سند قرار دے کر ایک نیا مذہب بنایا ہے۔ اس قسم کی حدیثوں کی کتابیں

بڑی تصنیف ہوئی ہیں۔ چند کتابوں کے نام درج ذیل ہیں:

کتاب الضعفاء از ابن حبان، تصانیف حاکم، کتاب الضعفاء از عقیلی، کتاب الکامل از ابن عدی، تصانیف ابن مردویہ، تصانیف خطیب، تصانیف ابن شاپین، تفسیر ابن جریر، فردوسِ دہلی، (بلکہ ان کی تمام تصانیف) تصانیف ابی نعیم، تصانیف جوزقانی، تصانیف ابن عساکر، تصانیف ابوالشیخ، اور تصانیف ابن النجار۔

مناقب و مثالب کے بیان میں اکثر حدیثیں گھڑی گئی ہیں اور صحت میں تساہل سے کام لیا گیا ہے، اسی طرح تفسیر اور اسباب نزول کے بیان میں تاریخ اور بنی اسرائیل کے واقعات اور انبیاء سابقین کے قصوں میں، شہروں کے فضائل، کھانے پینے کی چیزیں، اور حیوانات کے تذکرہ میں اکثر موضوع حدیثیں ہیں۔ طب، ٹونکے، جھاڑ پھونک، عزیزوں اور دعوات میں اور نوافل کے اجر و ثواب میں بھی اس قسم کا واقعہ پیش آتا ہے۔ ابن الجوزی رحمہ اللہ نے ”کتاب الموضوعات“ میں اس قسم کی بیشتر حدیثوں پر جرح و قدح کی ہے اور ان کے موضوع ہونے کے دلائل پیش کئے ہیں اور ”کتاب تنزیہ الشریعہ“ ایسی حدیثوں کی نشاندہی کے لئے کافی ہے۔

اکثر شاذ و نادر مسائل جیسے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا اسلام لانا، یا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پیروں پر مسح کرنے کی روایتیں، یا انہی جیسے شاذ و نادر مسائل انہی کتابوں کی حدیثوں سے نکلے ہیں اور شیخ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کے رسائل و نوادر کا سرمایہ یہی کتابیں ہیں، لہذا ان کتابوں کی حدیثوں میں مشغول رہنا اور ان سے احکام کا استنباط کرنا مفید کام نہیں ہے۔

اس پر بھی اگر کسی کے دل میں ان کتابوں کی تحقیق کی خواہش ہو تو ان حدیثوں کے راویوں کا پتہ چلانے کے لئے علامہ ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ”المیزان الاعتدال“ اور ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ”لسان المیزان“ اس کے کام آسکتی ہے۔

اور الفاظ غریبہ کی شرح، ماذوں کی تحقیق اور حدیثوں کی توجیہات کے لئے شیخ محمد طاہر بوہرہ گجراتی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ”مجمع البحار“ سب سے بے پرواہ کر دیتی ہے۔^۱

شروط الائمة الستة

شروط الائمة: حضرات ائمہ حدیث نے اپنی کتابوں کے بارے میں کسی قسم کی شرائط کی وضاحت نہیں کی، البتہ بعد والوں نے اس میں غور و فکر کر کے شرائط کی تعیین کی ہے۔ اس موضوع پر علامہ حازمی رحمہ اللہ تعالیٰ کا رسالہ کافی و شافی ہے۔^۲
 لخصاً یہ بات سمجھنی چاہیے کہ دو چیزیں بنیادی طور پر ملحوظ ہوتی ہیں:

- ۱..... راوی کی ذات۔
- ۲..... اپنے شیخ سے تعلق۔ ان دونوں باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے کل پانچ صورتیں نکلتی ہیں:
- ۱..... حفظ و اتقان میں غایت درجہ (یعنی انسان کے لئے جس درجہ کا حفظ سنی ہوئی احادیث کا اور اس کو محفوظ رکھنا اور اس کو صاف شفاف لکھنا ہو سکے، اس کا اہتمام کرنا) مع طول الملازمة للشيخ۔
- ۲..... حفظ و اتقان میں غایت درجہ، البتہ صحبت شیخ میں کمی ہوئی ہو۔
- ۳..... ضبط و اتقان میں کمی آئے، لیکن شیخ کی صحبت میسر رہی۔
- ۴..... ضبط و اتقان اور صحبت شیخ دونوں میں کمی آئے۔
- ۵..... الضعفاء و الجاہل ضعیف تو وہ جس کو ساری دنیا جانتی ہو، لیکن احوال کمزور

۱۔ فوائد جامعہ برعجلہ نافذہ، از ص ۳۳ تا ص ۳۸۔

۲۔ علامہ ابوبکر حازمی رحمہ اللہ تعالیٰ کا رسالہ ”شروط الائمة الخمسة“ قاہرہ سے ۱۳۵۷ھ میں علامہ کوثری رحمہ اللہ تعالیٰ کی تعلیقات کے ساتھ شائع ہو چکا ہے۔ انتہائی مفید اور مطالعہ کے لئے ناگزیر ہے۔ علامہ حازمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ص ۳۳ پر ان شرائط کو بیان کیا ہے۔

ہوں اور مجہول جس کے احوال ہی معلوم نہیں۔

۱ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ عامۃ اصول میں (یعنی جو روایت حَدَّثَنَا کہہ کر لاتے ہیں) اول درجہ کی روایت لاتے ہیں اور متابعت میں (یعنی تَابَعَهُ فُلَانُ ابْنُ فُلَانٍ) دوسرے درجہ والے کی روایت بھی لاتے ہیں اور ترجمۃ الباب میں تیسرے درجہ کے راویوں تک کی روایت بھی لیتے ہیں۔

۲ امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ ان کے یہاں ابواب معہود ذہنی ہیں۔ کیف ما اتفق روایات کو جمع نہیں کیا ہے۔ اصول میں اول اور دوسرے درجہ کے راویوں سے روایت لیتے ہیں، البتہ متابعات میں یعنی جب نحوہ یا مثلاً کہہ کر حدیث کی دوسری سند پیش کرتے ہیں، یا اس حدیث کے متعلق کسی چیز کو نقل کرنے کے لئے مستقل سند سے روایت لاتے ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ دونوں حضرات پہلے تین درجہ کے راویوں کی روایت کو لیتے ہیں۔

۳ امام ابوداؤد رحمہ اللہ تعالیٰ اول، دوم، سوم تین درجہ کے راویوں کی روایت لاتے ہیں اور ضرورت کے وقت چوتھے درجہ کے راوی سے روایت بھی لیتے ہیں اور وہاں ”قال ابوداؤد“ کہہ کر کے تصفیہ کی سعی کرتے ہیں۔

۴ امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ یہ جرح و تعدیل میں ”ترمذی“ اور ”ابوداؤد“ سے بھی اونچے ہیں۔ اپنی کتاب میں عامۃ اول، دوم، سوم درجہ کے راویوں سے روایت لیتے ہیں۔ دوسری کتابوں میں ان کے اقوال جرح و تعدیل بکثرت آتے ہیں، لیکن خود ان کی کتاب میں نہیں۔

۵ امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اول، دوم، سوم، چہارم درجے کے راویوں کی روایت عامۃ لی ہیں اور بوقت ضرورت پانچویں درجہ کے راوی سے بھی روایت لیتے ہیں اور وہاں نقد کرتے ہیں۔ تمام احادیث پر انہوں نے حکم اپنی تجویز کردہ اصطلاح کے مطابق لگا ہی دیا ہے تاکہ پڑھنے والے کو حدیث شریف کا درجہ ثبوت معلوم

ہو جائے۔ یہ کل پانچ حضرات ہوئے۔

① نمبر چھ کے سلسلہ میں امت میں کافی اختلاف رہا۔ پہلے ایک زمانہ تک صحاح ستہ میں ”مؤطا امام مالک“ بھی شامل تھی، پھر ایک زمانہ وہ آیا جس میں صحاح ستہ میں ”سنن دارمی“ کا شمار ہونے لگا۔ اس کے بعد سب سے پہلے شیخ ابن طاہر مقدسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”ابن ماجہ“ کو صحاح ستہ میں شامل کیا، پھر ہمارے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تجدید کی اور ”ابن ماجہ“ کو بھی شامل فرمایا، اس لئے ”ابن ماجہ“ کے روایات پر عامۃً زیادہ بحث و تحقیق نہیں ہوئی، البتہ غور و خوض سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابن ماجہ رحمہ اللہ تعالیٰ عامۃً پانچوں اقسام کے راویوں کی روایت لیتے ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ راویوں کے سلسلہ میں امام بخاری اور امام مسلم رحمہم اللہ تعالیٰ کے بعد امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مقام ہے، پھر امام ابوداؤد رحمہ اللہ تعالیٰ، پھر امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ اور پھر امام ابن ماجہ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

تقسیم حدیث

حدیث دو قسم پر ہے: ① متواتر، ② خبر واحد۔

تعریف متواتر: خبر متواتر وہ حدیث ہے جس کے روایت کرنے والے ہر زمانہ میں اس قدر کثیر ہوں کہ ان سب کے جھوٹ پر اتفاق کرنے کو عقل سلیم محال سمجھے۔
خبر واحد: خبر واحد وہ حدیث ہے جس کے راوی اس قدر کثیر نہ ہوں۔

اقسام خبر واحد

خبر واحد مختلف اعتبار سے کئی قسموں پر ہے۔

پہلی قسم:

خبر واحد اپنے منتہی کے اعتبار سے تین قسم پر ہے:

مرفوع، موقوف، مقطوع۔

① مرفوع: مرفوع وہ حدیث ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول یا فعل یا تقریر کا ذکر ہو۔

② موقوف: وہ حدیث ہے جس میں صحابی کے قول یا فعل یا تقریر کا ذکر ہو۔

③ مقطوع: وہ حدیث ہے جس میں تابعی کے قول یا فعل یا تقریر کا ذکر ہو۔

خبر واحد کی دوسری قسم:

خبر واحد عدد روایات کے اعتبار سے تین قسم پر ہے:

مشہور، عزیز، غریب۔

① مشہور: مشہور وہ حدیث ہے جس کے راوی ہر زمانہ میں تین سے کم نہ ہوں۔

② عزیز: عزیز وہ حدیث ہے جس کے راوی ہر زمانہ میں دو سے کم کبھی نہ ہوں۔

③ غریب: غریب وہ حدیث ہے جس کے راوی کبھی نہ کہیں ایک ہو۔

خبر واحد کی تیسری تقسیم:

خبر واحد اپنے راویوں کی صفات کے اعتبار سے سولہ اقسام پر مشتمل ہے:

صحیح لذاتہ، حسن لذاتہ، ضعیف، صحیح لغيرہ، حسن لغيرہ، موضوع، متروک، شاذ، محفوظ، منکر، معروف، معلل، مضطرب، مصحف، مقلوب، مدرج۔

① صحیح لذاتہ: وہ حدیث ہے جس کے تمام راوی عادل، کامل الضبط ہوں اور اس کی سند متصل ہونے کے ساتھ معلل اور شاذ ہونے سے محفوظ ہو۔

② حسن لذاتہ: وہ حدیث ہے جس کے راوی میں صحیح لذاتہ کے راوی سے ضبط کم درجہ کا ہو، باقی سب شرائط صحیح لذاتہ کے ہیں۔

میں ہوتی ہے، جیسے شعبہ کی وہ حدیث جس کو انہوں نے عوام بن مرجم (بالراء والحکم) سے نقل کیا ہے، اس کو یحییٰ بن معین رحمہ اللہ تعالیٰ نے غلطی سے مرجم کے بجائے مزجم (بالراء والحاء) ذکر کیا ہے۔

کبھی تصحیف حدیث میں ہوتی ہے جیسے حدیث میں:

”مَنْ صَامَ رَمَضَانَ وَاتَّبَعَهُ سِتًّا مِّنَ الشُّوَالِ“

کو بعض راوی نے ”شَيْنًا“ (بالشین المعجمہ) ذکر کیا ہے۔

۱۵..... مدرج: وہ حدیث ہے جس میں کسی جگہ راوی نے اپنا کلام درج کیا ہو۔

۱۶..... معلل: وہ حدیث ہے جس میں کوئی ایسی چھپی ہوئی بیماری ہو جس کو کوئی

ماہرین ہی جان سکتا ہے۔

خبر واحد کی چوتھی تقسیم

خبر واحد سقوط و عدم سقوط راوی کے اعتبار سے سات قسم پر ہے:

متصل، مسند، منقطع، معلق، معصل، مرسل، مدلس۔

۱..... متصل: وہ حدیث ہے جس کی سند میں سارے راوی مذکور ہوں کوئی راوی

حذف نہ ہو۔

۲..... مسند: وہ حدیث ہے کہ اس کی سند آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تک متصل

ہو۔

۳..... منقطع: وہ حدیث ہے جس کی سند کے درمیان راوی گرا ہوا ہو۔

۴..... معلق: وہ حدیث ہے جس کی سند کے شروع سے ایک یا زیادہ راوی گئے

ہوئے ہوں۔

۵..... معصل: وہ حدیث ہے جس کی سند میں ایک سے زیادہ راوی پے درپے

گرے ہوئے ہوں۔

۳..... ضعیف: وہ حدیث ہے جس کے راوی میں صحیح اور حسن کے شرائط نہ پائے

جائیں۔

۴..... صحیح لغیرہ: اس حدیث حسن لذاتہ کو کہا جاتا ہے جس کی سندیں متعدد

ہوں۔

۵..... حسن لغیرہ: اس حدیث ضعیف کو کہا جاتا ہے جس کی سندیں متعدد ہوں۔

۶..... موضوع: وہ حدیث ہے جس کے راوی پر حدیث نبوی (صلی اللہ علیہ

وسلم) میں جھوٹ بولنے کا طعن موجود ہو۔

۷..... متروک: وہ حدیث ہے جس کا راوی متہم بالکذب ہو، یا وہ روایت قواعد

معلومہ فی الدین کے خلاف ہو۔

۸..... شاذ: وہ حدیث ہے جس کا راوی خود ثقہ ہو مگر ایک ایسی جماعت کی مخالفت

کرتا ہو جو اس سے زیادہ ثقہ ہو۔

۹..... محفوظ: وہ حدیث ہے جو شاذ کے مقابل ہو۔

۱۰..... منکر: وہ حدیث ہے جس کا راوی باوجود ضعیف ہونے کے جماعت ثقات

کے مخالف روایت کرے۔

۱۱..... معروف: وہ حدیث ہے جو منکر کے مقابل ہو۔ (یعنی ثقات کی حدیث)

۱۲..... مضطرب: وہ حدیث ہے جس کی سند یا متن میں ایسا اختلاف ہو کہ اس

میں ترجیح یا تطبیق نہ ہو سکے۔

۱۳..... مقلوب: وہ حدیث ہے جس میں راوی نے بھول سے متن یا سند میں

تقدیم یا تاخیر کردی ہو، یعنی لفظ مقدم کو مؤخر اور مؤخر کو مقدم کر دیا ہو، یا ایک راوی کی

جگہ دوسرے راوی کا نام رکھ دیا ہو۔

۱۴..... مصحف: وہ حدیث ہے جس میں باوجود صورت خطی باقی رہنے کے لفظوں

و حرکتوں و سکونوں کے تغیر کی وجہ سے لفظ میں غلطی واقع ہو جائے۔ کبھی تصحیف راوی

۱..... مرسل: وہ حدیث ہے جس کی سند کے آخر سے کوئی راوی گرا ہوا ہو، یعنی صحابی۔

۲..... مدلس: وہ حدیث ہے جس کی روایت میں راوی نے اپنے شیخ یا شیخ کے شیخ کا نام چھپا دیا ہو۔

خبر واحد کی پانچویں تقسیم:
خبر واحد صیغہ ادا کے اعتبار سے دو قسم پر ہے:
معنعن، مسلل۔

۱..... معنعن: وہ حدیث ہے جس کی سند میں لفظ ”عن“ ہو اس کو ”معنعنہ“ کہا جائے گا۔

معنعن کے متصل ہونے کی شرط: اگر راوی کی مروی عنہ سے ملاقات ممکن ہو اور راوی تالیس سے بری ہو، ایسے راوی کے ”عن“ کو متصل مانا جائے گا، اس کو امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے ترجیح دی ہے۔

اور امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کم از کم ایک مرتبہ راوی کی مروی عنہ سے ملاقات ثابت ہو تب اس کو متصل مانا جائے گا۔ اس مسئلہ کو امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے مقدمہ میں رد کر دیا ہے اور ترجیح میں لہجہ تیز تر ہو گیا ہے۔

۲..... مسلل: وہ حدیث ہے جس کو تمام راویوں نے شروع سے لے کر آخر صلی اللہ علیہ وسلم تک ایک حالت پر بیان کیا ہو، مثلاً تمام راویوں نے اول سے آخر سند تک ”سَمِعْتُ فَلَانًا يَقُولُ“ ذکر کیا۔ ”أَخْبَرَنَا فَلَانٌ وَاللَّهِ قَالَ أَخْبَرَنَا فَلَانٌ وَاللَّهِ“ اخیر تک سبھی نے یہی لفظ ذکر کیا ہو۔ اس کو مسلل قوی کیا جاتا ہے۔

اور کبھی تسلسل فعلی ہوتا ہے، جیسے حدیث ”مُسَلَّسٌ بِضِيَاةِ الْأَسْوَدِيِّينَ“

لہ دیکھیے ”فیض المنعم شرح مقدمہ مسلم ص ۱۳۷“۔

(ماء وتمر) کہ ہر راوی نے بعد کے شاگرد کو ماء وتمر دیا۔ اور کبھی تسلسل قولاً وفعلاً دونوں طرح ہوتا ہے، جیسے حدیث:

”اللَّهُمَّ أَعِنِّي عَلَى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ“

ابوداؤد، مسند احمد اور نسائی کی روایت میں ہے کہ راوی نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ مجھے تم سے محبت ہے ہر نماز کے بعد کہا کرو ”اللَّهُمَّ أَعِنِّي عَلَى ذِكْرِكَ.....“ الخ دیکھو اس حدیث میں ہاتھ پکڑنا فعل ہے اور قل کہہ کر تلقین کرنا قول ہے، ان دونوں کا اہتمام تمام راویوں نے کیا ہے۔

عمرو بن شعیب والی روایت کی تحقیق

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ، والی سند کی تحقیق۔

نسب:..... عمرو بن شعیب بن محمد بن عبد اللہ بن عمرو بن العاص۔

عمرو... صدوق، صفارتا لعین میں آپ کا شمار ہے۔ آپ کی وفات سن ۱۱۸ھ میں ہوئی۔ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے قدر کے ضمن میں آپ سے روایت لی ہے۔ ان کے علاوہ مؤلفین سنن اربعہ بھی آپ سے روایت کرتے ہیں ”عن ابیہ ای شعیب صدوق.“ اپنے دادا اور کبار تابعین سے سماع ثابت ہے۔ مذکورہ بالا حضرات نے آپ سے روایت لی ہے ”عن جدہ“ یعنی باپ کے دادا۔ اس ضمیر کا مرجع شعیب

۱۔ یہ ترمذی کی روایت ہے کہ ہر راوی نے اپنے شاگرد کو کھجور کھلائی اور پانی پلایا اور یہ حدیث سنائی: ”الْأَرْحَمُونَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمَنُ إِذْ حَمُوا مَنْ فِي الْأَرْضِ يَرْحَمَكُمُ مَنْ فِي السَّمَاءِ“ (ترمذی: ۱۶/۲، باب جاء فی رحمة الصبیان، ابواب البر والصلوة)

۲۔ ابوداؤد، باب فی الاستغفار، کتاب الوتر، رقم الحدیث ۱۰۲۲۔
نوٹ: اصطلاحات حدیث اور ان کی تعریفات کے لئے دیکھیے ”نخبۃ الفکر“ مقدمہ مشکوٰۃ ”مظاہر حق“ مقدمہ اعلاء السنن ”نزہۃ النظر“ ”تدریب الراوی“ ”توجیہ النظر“ ”خبر الاصول فی حدیث الرسول“ وغیرہ۔

۳۔ بخاری: ۵۵۳/۱۔

ہے عمرو نہیں اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں۔

علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ "دارقطنی" کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ:

"میں نے ابوبکر نقاش کو سنا وہ کہتے تھے کہ عمرو بن شعیب تابعی نہیں ہیں،

لیکن ان سے بیس تابعین نقل روایت کرتے ہیں۔"

امام دارقطنی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

"جب اس امر کی میں نے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ بیس سے بھی زائد

حضرات ان سے روایت نقل کرتے ہیں۔"

ابن صلاح رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

"میں نے حافظ ابوموسیٰ الطائیؓ کی قلم سے لکھی ہوئی بات پڑھی کہ عمرو بن

شعیب تابعی نہیں ہیں لیکن ستر سے زیادہ تابعین ان سے نقل کرتے ہیں۔"

حقیقت میں یہ سب وہم ہے، چونکہ عمرو بن شعیب دو صحابیہ سے نقل کرتے

ہیں: زبیب بنت معوذ بن عفراء، زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما (حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کی رپیہ) معلوم ہوا کہ عمرو بن شعیب تابعی ہیں۔

محدثین اختلاف کرتے ہیں "عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ"

والے نسخہ سے احتجاج صحیح ہے یا نہیں؟ محقق قول یہی ہے کہ مطلقاً نقل صحیح ہے، اور یہ

محمد جو سند میں مذکور ہے ایک حدیث کے علاوہ ان سے کوئی بات مروی نہیں اور وہ

حدیث ابن الہادؓ سے ابن حبان رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو روایہ نقل کی ہے:

"عَنْ عَمْرٍو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ

ابن حبان رحمہ اللہ تعالیٰ نے (لسان المیزان: ۳۴/۸، ورقم: ۴۷۶۶)

ابن حبان رحمہ اللہ تعالیٰ نے (لسان المیزان: ۳۴/۸، ورقم: ۴۷۶۶)

ابن حبان رحمہ اللہ تعالیٰ نے (لسان المیزان: ۳۴/۸، ورقم: ۴۷۶۶)

السنن: ۲۳۷/۵، نصب الروایة: ۲۳۲/۲.

بیت العلم عرب

عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا "مَرْفُوعًا آلا
أَخْبَرَكُمْ بِأَحَبِّكُمْ إِلَيَّ وَأَقْرَبِكُمْ مِنِّي مَجْلِسًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ"ؓ

مقدمۃ الكتاب

امراول غرض:..... جیسا کہ علم حدیث کی غرض و غایت ہوتی ہے ایسے ہی کتاب کی

بھی غرض و غایت ہوتی ہے، چنانچہ صاحب مشکوٰۃ شیخ ولی الدین محمد بن عبداللہ

خطیب تبریزی رحمہ اللہ تعالیٰ کی غرض اس کتاب سے یہ ہے کہ علامہ غی السنہ ابو محمد

حسین بن مسعود الفراء بغوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے علم حدیث میں ایک کتاب "مصباح"

نامی تصنیف فرمائی تھی جس میں مؤلف نے تمام اہم احادیث کو جس کا جاننا ایک

طالب آخرت کے لئے ضروری ہو جمع کر دیا، لیکن مؤلف مصباح نے اختصار کی نیت

سے ان احادیث کی اسناد کو حذف کر دیا تھا تو بعض ناقدین نے ان پر سخت کلام کیا،

حالانکہ مؤلف مصباح خود ثقافت علماء میں سے ہونے کی وجہ سے ان کا نقل کرنا ہی

سند کی حیثیت رکھتا ہے، لیکن پھر بھی ان کی نشاندہی میں جو بات ہے وہ ان کو بے

حوالہ چھوڑنے میں نہیں، اس لئے مؤلف مشکوٰۃ نے ان احادیث کا حوالہ بھی بیان

کر دیا اور ان میں کچھ اضافہ بھی اپنی طرف سے فرمایا۔ یہ ہے کتاب "مشکوٰۃ" کی

غرض۔

امریثانی وجہ تسمیہ

اس کتاب کا نام ہے "مشکوٰۃ المصابیح"۔ مشکوٰۃ لغت میں اس طاق کو

کہتے ہیں جس میں چراغ رکھا جائے اور مصابیح! جمع ہے مصباح کی۔ اس کتاب

ابن حبان: ۳۵۲/۱.

مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ کے استاذ علامہ حسین بن عبداللہ بن محمد طبری رحمہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس

کام کے لئے آمادہ کیا کہ روایات کی تخریج کریں اور مآخذ بیان کریں اور ہر روایت کے ساتھ صحابی رضی

اللہ تعالیٰ عنہ کا نام بھی لکھیں۔ (مقدمہ شرح الطیبی الکاشف عن حقائق السنن: ۳۴/۱)

کا نام مشکوٰۃ اس لئے رکھا گیا کہ طاق میں نور مجتمع ہوتا ہے تو اس میں قوت آتی ہے، بخلاف کھلی جگہ میں اگر چراغ رکھا جائے تو نور میں وہ قوت نہ ہوگی۔ اسی طرح احادیث کے رِوَاۃ کا نام جب تک نہ معلوم ہو وہ منتشر ہوگی اور جب راوی کا نام معلوم ہو جائے تو وہ منضبط ہوگی۔ یہ وجہ تسمیہ علامہ طیبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بتلائی ہے۔^۱ اور علامہ میرک رحمہ اللہ تعالیٰ نے وجہ تسمیہ یہ بتلائی ہے کہ: مشکوٰۃ یہ مصابیح کی احادیث کو گھیرے ہوئے اور اپنے اندر لئے ہوئے ہے، جیسا کہ طاق اپنے اندر چراغ کو لئے ہوئے ہوتا ہے اور گھیرے ہوتا ہے۔

ایک تیسری وجہ ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے کہ: مصابیح سے مراد وہ تمام احادیث ہیں جو اس کتاب میں مذکور ہیں، چاہے وہ محی السنۃ رحمہ اللہ تعالیٰ کی ”المصابیح“ سے لی ہوں یا اس کے علاوہ سے اور ان احادیث کو مصابیح سے تعبیر اس لئے کیا کہ یہ نورانی نشانیاں اور واضح علامتیں ہیں جو سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک سے ظاہر ہوئیں تاکہ اس کے ذریعہ آپ کی امت گمراہی کے جنگل اور جہالت کے صحراء میں راہ حاصل کر لے، چنانچہ اسی بنیاد پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں:

”أَصْحَابِي كَالنَّجُومِ بَابِهِمْ اِقْتَدَيْتُمْ اِهْتَدَيْتُمْ“^۲

کہا گیا ہے اور چونکہ ان کی یہ کتاب ان احادیث کو جو مصابیح ہدایت ہیں جامع تھی اس لئے اس کو ”مشکوٰۃ“ سے تشبیہ دی۔^۳

^۱ حوالہ بالا: ۸۸/۱۔

^۲ مشکوٰۃ، ص ۵۵۴، باب مناقب الصحابة.

^۳ مرقاة: ۳۷/۱۔

وَلَيْلَهُ دَرٌّ مَنْ قَالَ مِنْ أَرْبَابِ الْحَالِ

لَيْنٌ كَانَ فِي الْمِشْكُوتَةِ يُوضِحُ مِصْبَاحَ
فَذَلِكَ مِشْكُوتَةٌ وَ فِيهَا مِصَابِيحٌ
وَبَيْهَا مِنَ الْأَنْوَارِ مَا شَاعَ نَفْعُهَا
لِهَذَا عَلَى كُتُبِ الْأَنْبَاءِ تَرَاجِيحٌ

امرِ ثالثِ مَوْلَفِ كِتَابِ

چونکہ مشکوٰۃ، المصابیح ہی میں اصلاح و اضافہ کر کے تیار ہوئی ہے اس لئے گویا ”المصابیح“ اس کی اساس و بنیاد ہے، لہذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے صاحب المصابیح کے حالات ذکر کئے جائیں، اس کے بعد صاحب مشکوٰۃ کے۔

مَوْلَفِ الْمِصَابِيحِ

نام حسین، کنیت ابو محمد، لقب محی السنۃ، والد کا نام مسعود اور دادا کا نام محمد ہے۔ فراء بغوی کے نام سے مشہور ہیں اور ابن الفراء بھی کہلاتے ہیں۔ آپ ۳۳۵ھ میں پیدا ہوئے۔ عربی میں فرو، پوسٹین کو کہتے ہیں۔ ان کے باپ پوسٹین بنایا کرتے تھے، اس لئے آپ کو فراء اور ابن الفراء کہا جاتا ہے۔^۱

بغوی یہ ان کے وطن ”بغوز“ جس کی اصل ”بغشور“ ہے جو باغ کور کا معرب ہے۔ یہ شہر ہرات اور مرو کے درمیان واقع ہے۔ شور کو حذف کر کے بغوی کی طرف نسبت کی تو بغوی ہو گیا۔ (یہ لفظ ثنائی ہے مگر زیادتِ واو کی وجہ سے ثلاثی ہو گیا)^۲

فَفِيهِ أَصُولُ الدِّينِ وَ الْفِقْهُ وَ الْهَدْيُ حَوَائِجُ أَهْلِ الصِّدْقِ مِنْهُ مَنَاجِيحُ
یعنی اگر عام طاقتوں میں صرف ایک ایک چراغ ہوتا ہے، تو یہ ایسا طاقتور ہے جس میں کئی چراغ موجود ہیں۔

اور اس میں ایسے انوار ہیں جن کی افادیت عام پھیل چکی ہے، اس کتاب کو دیگر حضرات کی کتابوں پر گونا گوں ترجیحات حاصل ہیں۔

چنانچہ اس میں اصول دین فقہ اور ہدایت سب کچھ ہے اور تمام اہل صدق کی دینی حاجات اس سے بخوبی پوری ہوتی ہیں۔

^۱ ایک فراء نحوی بھی مشہور ہیں مگر وہ اور ہیں۔

^۲ ”بغی“ کے بجائے ”بغوی“ واو کے اضافہ سے نسبت کی گئی، چونکہ ”بغی“ کے معنی زانیہ کے ہیں اس لئے التباس سے بچنے کے لئے ”اسماء معذوفۃ الاعجاز“ کا قاعدہ جاری کر دیا گیا ہے، جیسے ”دم“ سے ”دموی“ ”اب“ سے ”ابوی“ اور ”اخ“ سے ”اخوی“ بنایا جاتا ہے اور واو کا

آپ اپنے زمانہ کے مشہور محدث و مفسر اور بلند پایہ قراء میں سے تھے۔ فقہ میں قاضی حسین بن محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگرد ہیں اور شافعی المسلک ہیں اور حدیث میں ابو الحسن عبدالرحمن بن محمد داؤدی رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگرد ہیں، جو زمرہ محدثین میں داخل ہیں۔ عبدالواحد صیرفی اور علی بن یوسف جوینی رحمہم اللہ تعالیٰ سے بھی کافی استفادہ کیا ہے۔

تمام عمر تصنیف و تالیف اور حدیث و فقہ کے درس میں مشغول رہے۔ ہمیشہ با وضو درس دیتے اور زہد و قناعت میں زندگی گزارتے تھے۔ افطار کے وقت خشک روٹی کے ٹکڑے پانی میں تر کر کے کھاتے تھے، جب لوگوں نے اصرار کے ساتھ کہا کہ خشک روٹی کھانے سے دماغ میں خشکی پیدا ہو جائے گی تو سائن کے طور پر روغن زیتون استعمال کرنے لگے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی بیوی کا انتقال ہوا اور کافی مال چھوڑ کر وفات پائی، لیکن آپ نے ان کی میراث میں سے کوئی چیز نہیں لی۔

جب آپ نے ”شرح السنۃ“ تصنیف کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ: تو نے میری احادیث کی شرح کر کے میری سنت کو زندہ کر دیا، اسی دن سے آپ کا لقب محی السنۃ مشہور ہو گیا۔

ماہ شوال میں بمقام مرو وفات پائی اور اپنے استاذ قاضی حسین رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس مقبرہ طالقانی میں مدفون ہوئے۔ وہاں آپ کی قبر مشہور و معروف ہے۔ عمر اسی (۸۰) سال سے متجاوز تھی۔

آپ نے متعدد تصانیف فرمائی ہیں۔ تفسیر میں ”مَعَالِمُ التَّنْزِيلِ“ فقہ میں ”تَرْجَمَةُ الْأَحْكَامِ“ ”تَهْدِيَةُ فَتَاوَى بَغْوِيَّةٍ“ حدیث میں ”شَرْحُ السُّنَّةِ“

إضافة كرويا جاتا ہے۔ (اشعة اللمعات: ۲۶/۱، مرقاة: ۱۱/۱)۔

سہ ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں ”كَانَ مَفْسُورًا، مُحَدِّثًا، فَقِيهًا وَكَانَ مَاهِرًا فِي عِلْمِ الْقِرَاءَةِ“ (مرقاة: ۱۰/۱)

سہ سن وفات ۵۱۶ھ ہے۔ (اشعة اللمعات: ۲۶/۱، معجم البلدان: ۴۶۸/۱)

”إِرْشَادُ الْأَنْوَارِ فِي شَمَائِلِ النَّبِيِّ الْمُخْتَارِ“ ”الْجَمْعُ بَيْنَ الصَّحِيحَيْنِ“ اور ”الْمَصَابِيحُ“^{سہ}

احادیث مصابیح

”المصابیح“ میں: ۴۲۸۴/ احادیث ہیں۔ بخاری و مسلم سے: ۲۴۳۳/ اور سنن ابوداؤد، ترمذی وغیرہ سے: ۲۰۵۰، لیکن صاحب کشف الظنون نے احادیث مصابیح کی تعداد بعض حضرات سے نقل کی ہے وہ اس سے مختلف ہے۔ انہوں نے کل احادیث کی تعداد: ۴۷۱۹/ بتلائی ہے، جن میں سے: ۳۲۵/ بخاری کی اور: ۸۷۵/ مسلم کی اور: ۱۰۵۱/ متفق علیہ ہیں اور باقی دیگر کتب احادیث کی ہیں۔ صاحب کشف الظنون نے بعض حضرات کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ اس کتاب کا نام ”مصابیح“ خود مصنف کا معین کردہ نہیں ہے، بلکہ صاحب کتاب نے جو دیباچہ میں کہا ہے کہ:

”أَمَّا بَعْدُ! إِنَّ أَحَادِيثَ هَذَا الْكِتَابِ مَصَابِيحُ“

اس کی وجہ سے بطور غلبہ اس کا نام ”مصابیح“ ہو گیا۔ ”المصابیح“ کی سولہ سے زیادہ شروحات ہیں۔

مؤلف مشکوٰۃ

نام محمد، کنیت ابو عبد اللہ، لقب ولی الدین اور والد کا نام عبد اللہ ہے۔ نسباً عمری

سہ دیکھیے الاعلام للزرکلی: ۲۰۹/۲۔ کشف الظنون: ۱/۳۹۷/۲، ۱۴۹۹۔

سہ بستان الحدیث اردو، ص ۲۲۵۔ صاحب مرقاة نے مصابیح کی احادیث کی تعداد (۴۳۳۳) بتلائی ہیں: ”قِيلَ أَحَادِيثُهُ أَرْبَعَةُ أَلْفٍ وَأَرْبَعُ مِائَةٍ وَأَرْبَعَةٌ وَثَلَاثُونَ حَدِيثًا“

اس پر صاحب مشکوٰۃ رحمہ اللہ نے (۱۵۱۱) کا اضافہ فرمایا اس طرح مجموعی تعداد (۵۹۳۵) ہوگی: ”وَزَادَ صَاحِبُ الْمَشْكُوتَةِ أَلْفًا وَخَمْسَ مِائَةٍ وَأَحَدَ عَشَرَ حَدِيثًا، فَالْمَجْمُوعُ خَمْسَةُ أَلْفٍ وَتِسْعِمِائَةٍ وَخَمْسَةٌ وَأَرْبَعُونَ“ (مرقاة: ۱۰/۱)

ہیں اور خطیب تبریزی رحمہ اللہ تعالیٰ سے مشہور ہیں۔ اپنے وقت کے محدث، علامہ اور فصاحت و بلاغت کے امام تھے۔ حدیث میں آپ کا امتیازی پایہ ”مشکوٰۃ“ سے ظاہر ہے۔ مبارک شاہ، صاوی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ آپ کے شاگرد ہیں۔

آپ کی تصانیف میں سب سے زیادہ مشہور یہی ”مشکوٰۃ“ ہے، جس میں صحاح کے علاوہ دوسری کتابوں کی حدیثیں بھی جمع ہیں۔ یہ نہایت مقبول و متداول کتاب ہے۔ ہندوستان میں تو ایک مدت تک ”مشکوٰۃ“ اور ”مشارق الانوار“ ہی حدیث کا کمال معراج رہی ہیں اور اب بھی جبکہ صحاح ستہ فن حدیث کی تکمیل کے لئے ضروری قرار پا چکی ہیں ”مشکوٰۃ“ بھی دورۂ حدیث سے قبل لازمی ہے، کیونکہ کسی زمانہ میں ”مشکوٰۃ“ کو قرآن کی طرح زبانی یاد کیا جاتا تھا۔

مصنوع میں صرف احادیث مذکور تھیں۔ راوی کا نام، مخرج حدیث، صحت و ضعف اور حسن وغیرہ کا تذکرہ نہیں تھا۔ صاحب مشکوٰۃ نے جملہ امور بیان کئے اور یہ بھی بتا دیا کہ وہ حدیث کس کتاب کی ہے، چنانچہ تیرہ اصحاب حدیث کا خصوصی ذکر کیا: ۱۰۶۱/۱ اصحاب صحاح ستہ، امام مالک، شافعی، احمد، دارمی دارقطنی، بیہقی اور ابوالحسن رزین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

پھر صرف صاحب مصنوع کے لکھنے پر اعتماد نہیں کیا بلکہ اصول کی ان تمام کتابوں میں روایات کا اختلاف مقابلہ کر کے نقل کیا ہے اور جہاں جہاں صاحب مصنوع نے احادیث کو غریب یا ضعیف یا منکر قرار دیا ہے موصوف نے اس کا سبب بھی ظاہر کر دیا۔ صاحب مصنوع نے ہر باب کے تحت دو فصلیں قائم کی تھیں۔ فصل اول میں صحیحین کی حدیث لائے ہیں جن کو صحاح کے نام سے تعبیر کیا ہے اور فصل ثانی میں ابوداؤد، ترمذی، نسائی وغیرہ کی احادیث لائے ہیں جن کو حسان کے نام سے یاد کیا ہے۔ صاحب مشکوٰۃ نے اکثر و بیشتر ہر باب میں تیسری فصل کا اضافہ کیا ہے، جس میں صحاح ستہ کے علاوہ دیگر کتب حدیث کی احادیث بھی لائے ہیں، نیز

احادیث کے علاوہ صحابہ اور تابعین کے اقوال و افعال بھی جو باب کے مناسب تھے جمع کر دیئے ہیں۔

مشکوٰۃ کی احادیث، کتب، ابواب

شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”بستان المحدثین“ میں بیان کیا ہے کہ:

”مصنوع“ کی احادیث: ۴۴۸۴/۱ ہیں۔ (ابن ملک نے بھی یہی تعداد بیان کی ہے) اس پر صاحب مشکوٰۃ نے: ۱۵۱۱/۱ کا اضافہ کیا ہے تو ”مشکوٰۃ“ کی کل احادیث: ۵۹۹۵/۱ ہوئیں۔

لیکن صاحب مظاہر حق رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”مصنوع“ کی احادیث: ۴۴۳۴/۱ مانی ہیں۔ اس اعتبار سے ”مشکوٰۃ“ کا مجموعہ: ۵۹۴۵/۱ ہے۔

”تاریخ الحدیث“ میں ہے کہ ”مشکوٰۃ“ میں: ۲۹/۱ کتابیں: ۳۲۷/۱ ابواب اور: ۱۰۳۸/۱ فصلیں ہیں۔

صاحب مشکوٰۃ کا سن وفات معلوم نہ ہو سکا، البتہ یہ ضرور ہے کہ ۳۷۷ھ کے بعد وفات ہوئی ہے، کیونکہ بروز جمعہ ماہ رمضان ۳۷۷ھ میں تو اس تالیف سے فراغت ہوئی ہے، جیسا کہ صاحب مشکوٰۃ نے آخر کتاب میں تصریح کی ہے، بلکہ میں کہتا ہوں کہ ۳۷۰ھ کے بعد وفات ہوئی ہے، اس لئے کہ ”اکمال فی رجال المشکوٰۃ“ بھی خود انہیں کی تالیف ہے اور اس سے ۲۷/۱ رجب ۳۷۰ھ میں فارغ ہوئے ہیں، چنانچہ صاحب تاریخ الحدیث نے ۳۷۰ھ مانا ہے اور بعض حضرات نے اندازہ لگا کر ۳۷۸ھ بتلایا ہے۔

۱۔ دیکھیے صفحہ نمبر ۱۰۴ حاشیہ نمبر (۲)۔

۲۔ مظاہر حق جدید: ۴۲/۱۔

۳۔ کشف الظنون: ۱۷۰۰/۲۔

شروع، حواشی و تراجم

”مشکوٰۃ“ کی بھی بہت سے لوگوں نے شرحیں لکھی ہیں، جن میں ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی:

۱..... ”مرقاۃ المفاتیح“ احناف کے لئے بڑی اچھی ہے۔ ہندوستان میں بھی اس کتاب کی مختلف شرحیں کی گئیں ہیں۔

۲..... شرح الطیبی: الامام الکبیر شرف الدین حسین بن محمد بن عبداللہ الطیبی رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی ۷۳۴ھ نے بہترین اور جامع شروع لکھی جو تمام شروحات کا مرجع سمجھی جاتی ہے۔

۳..... حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے صاحبزادے شیخ سعید رحمہ اللہ تعالیٰ کا ”مشکوٰۃ“ پر ایک حاشیہ ہے۔

۴..... ”اللمعات“: حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کی ایک شرح عربی میں مبسوط لکھی۔

۵..... ”اشعة اللمعات“: یہ فارسی میں مختصر شرح ہے۔

۶..... ”ذریعة النجاة“: اسی طرح شیخ عبدالنبی عماد الدین رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی ۱۰۲۰ھ نے ”ذریعة النجاة“ نامی ایک شرح لکھی ہے۔

۷..... ”زینة النکات“: اسی طرح سید ابوالمجد محبوب عالم بن سعید جعفری احمد آبادی متوفی ۱۱۱۱ھ نے ”زینة النکات“ نامی شرح لکھی ہے۔

۸..... ”مظاہر حق“: ایک اردو شرح نواب قطب الدین خان محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی ۱۲۸۹ھ نے ”مظاہر حق“ نامی لکھی جو بہت مقبول ہے۔

۹..... اس کا ایک اردو ترجمہ جلد اول مولانا کرامت علی جوہری متوفی ۱۳۹۰ھ نے کیا ہے۔

۱۰..... ”الرحمة المهداة“: اور ایک اردو ترجمہ پوری کتاب کا نواب صدیق حسن خان کے صاحبزادہ نور الحسن نے ”الرحمة المهداة“ نامی کیا ہے۔

۱۱..... ”التعلیق الصبیح“ اور ابھی ماضی قریب میں اس کی ایک عربی شرح مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی ۱۳۹۳ھ نے ”التعلیق الصبیح“ نامی کی ہے۔

۱۲..... ”مرعاة المفاتیح“ اور ایک عربی شرح ”مرعاة المفاتیح“ نامی مولانا عبید اللہ رحمانی مبارکپوری (اہل حدیث) نے لکھی ہے۔

نوع مشکوٰۃ

امر رابع نوع:..... یہ کتب حدیث کی جو انواع بیان ہوئیں اس اعتبار سے ”مشکوٰۃ“ مستدرک، تخریج اور تعلق ہے۔

امر خامس مرتبہ:..... ”مشکوٰۃ“ کا مرتبہ فی زمانہ تعلیم کے اعتبار سے کتب حدیث میں سب سے پہلے ہے، اس لئے کہ یہ دورہ حدیث سے پہلے پڑھائی جاتی ہے۔

امر سادس قسمت و تبویب:..... کتاب کی تقسیم و تبویب وہ فہرست ہے جو کتابوں کے شروع میں یا آخر میں لگا دیتے ہیں کہ فلاں مضمون فلاں صفحہ پر ہے اور یہ باب

۱۳..... ”تنظیم الاشتات لحل عویضات المشکوٰۃ“ حضرت مولانا ابوالحسن صاحب شیخ الشیخ دارالعلوم ہاٹ ہزاری بنگلہ دیش کی چار جلدوں میں بہترین اردو شرح ہے۔

۱۴..... میر سید شریف علی بن محمد جرجانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا حاشیہ ہے جو علامہ طیبی رحمہ اللہ تعالیٰ کی شرح سے تو بہت مختصر لیکن نافع ہے۔

۱۵..... ”هدایة الرواة الی تخریج المصابیح و المشکوٰۃ“ للحافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ۔

۱۶..... ”نفحات التنقیح فی شرح مشکوٰۃ المصابیح“ حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم کے درسی افادات کا مجموعہ حال ہی میں تین جلد میں شائع ہوا ہے۔ مفصل، مفید و قابل مطالعہ ہے۔

فلاں ورق پر ہے۔

امر سابع حکم شرعی:..... اس حکم کی دونوں ہیں: ایک پڑھنے پڑھانے کے اعتبار سے، دوسری اس کی احادیث پر عمل کرنے کے اعتبار سے۔ پڑھنے پڑھانے کی حیثیت سے تو اس کا حکم یہ ہے کہ بصورتِ تفرد واجب ہے اور بصورتِ تعدد واجب علی الکفایہ، یعنی اگر کتب احادیث میں صرف ”مشکوٰۃ شریف“ پائی جائے تو اس کا پڑھنا واجب العین ہے اور اگر بہت سی کتب احادیث موجود ہوں تو اس کا پڑھنا واجب علی الکفایہ ہے، کیونکہ مقصود دین حاصل کرنا ہے۔

اور دوسرے اعتبار سے حکم یہ ہے کہ اس کی احادیث پر عمل کرنا واجب ہے بشرطیکہ کوئی معارض موجود نہ ہو، مثلاً کوئی آیت کریمہ معارض ہو یا اور کوئی حدیث، پھر جب تعارض ہوگا تو ہم غور کریں گے۔ یہ سات امور پورے ہوئے جن کا نام تھا ”مقدمة الكتاب“۔

منسوبات مشکوٰۃ

صاحب مشکوٰۃ نے کتاب المصاحح کی احادیث کو عموماً تیرہ ائمہ حدیث کی طرف منسوب کیا ہے جن کے نام یہ ہیں:

امام بخاری، امام مسلم، امام مالک، امام شافعی، امام ترمذی، امام احمد ابن حنبل، امام ابوداؤد، امام نسائی، امام ابن ماجہ، امام دارمی، امام دارقطنی، امام بیہقی، امام رزین رحمہ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کا مختصر تذکرہ کر دیا جائے۔



تذکرہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی کنیت ابو عبد اللہ ہے اور نام و نسب یہ ہے: محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن المغیرہ بن بردزبہ، بردزبہ دہقان بخارا کی زبان میں کاشکار یا کارندہ کو کہتے ہیں۔ بخاری کو: ولا کی طرف منسوب کر کے جھٹی کہتے ہیں، چونکہ اس زمانہ کا دستور تھا کہ جو شخص کسی کے ہاتھ پر مسلمان ہوتا تھا اس کو اسی کے قبیلہ کی طرف منسوب کرتے تھے۔ بخاری کے جد ثانی مغیرہ حاکم بخارا ایمان (بخاری) جھٹی کے ہاتھ پر اسلام لائے تھے اس لئے بخاری کو جھٹی بھی کہنے لگے۔

امام بخاری ۱۳ شوال ۱۹۴ھ کو جمعہ کے دن بعد نماز جمعہ پیدا ہوئے۔ آپ کمزور جسم کے تھے۔ نہ دراز قامت نہ کوتاہ قد، بلکہ درمیانہ قد رکھتے تھے۔

بخاری بچپن میں ہی نابینا ہو گئے تھے، اس وجہ سے ان کی والدہ کو اس کا سخت قلق رہتا تھا اور وہ نہایت گریہ وزاری سے خدائے پاک کی جناب میں ان کی بصارت کے لئے دعا کیا کرتی تھیں۔ ایک شب کو ان کی والدہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں دیکھا، آپ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تیری گریہ وزاری اور دعا کے سبب تیرے فرزند کو بصارت عنایت فرمائی، جب وہ صبح اٹھیں تو اپنے لخت جگر کی آنکھوں کو روشن پایا۔

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کو احادیث یاد کرنے کا بچپن ہی سے شوق تھا، چنانچہ ۱۰ سالہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے ترجمہ کے لئے دیکھیے ”تاریخ الخطیب“ ۴، ۲ ص ۳۶۔ ”انساب السمعانی“ ۱۰۰/۲۔ ”وفیات الاعیان“ ۱۸۸/۴۔ ”سیر اعلام النبلاء“ ۳۹۱/۱۲۔ ”تذکرۃ الحفاظ“ ۵۵۵/۲۔ ”تہذیب الکمال“ ۴۳۰/۲۴۔ ”طبقات السبکی“ ۲۱۲/۲۔ ”الکاشف“ ۳ الترجمة ۴۷۸۶۔ ”التقريب“ ۱۴۴/۲۔ ”فقات ابن حبان“ ۱۱۳/۹۔

دس سال کی عمر میں یہ حالت تھی کہ مکتب میں جس جگہ حدیث کا نام سنتے فوراً اس کو یاد کر لیتے۔ مکتب سے فراغت پائی اور یہ معلوم ہوا کہ بخارا میں علامہ داخلی رحمہ اللہ تعالیٰ علمائے حدیث میں سے ہیں تو ان کی خدمت میں آمد و رفت شروع کی۔ ایک روز کا واقعہ ہے کہ علامہ داخلی اپنے نسخہ سے لوگوں کو احادیث سنا رہے تھے اثناء درس میں ان کی زبان سے نکلا ”سُفْيَانُ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ“ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ فوراً بول پڑے کہ حضرت! ابو الزبیر کا لقاء (ملاقات) ابراہیم سے ثابت نہیں، بلکہ یہ زبیر بن عدی ہیں، مگر علامہ داخلی نے ان کی بات کو تسلیم نہ کیا تو امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا اس کو اصل نسخہ میں دیکھنا چاہیے، چنانچہ علامہ داخلی اپنے مکان میں تشریف لے گئے اور اصل نسخہ پر نظر ڈالی، باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ: اس لڑکے کو بلاؤ! جب امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ حاضر ہوئے تو علامہ داخلی نے فرمایا کہ میں نے اس وقت جو پڑھا تھا پیشک وہ غلط نکلا، اب آپ بتلائیں کہ صحیح کس طرح ہے اس پر امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے عرض کیا ”سُفْيَانُ عَنْ الزُّبَيْرِ بْنِ عَدِيٍّ عَنْ إِبْرَاهِيمَ“ ہے۔ علامہ داخلی حیران ہو گئے اور کہا واقعی ایسا ہی ہے، پھر قلم اٹھا کر قرأت کے نسخہ کی تصحیح کی۔

یہ واقعہ ان کی عمر کے گیارہویں سال کا ہے۔ جب امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ سولہ سال کے ہوئے تو آپ نے حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ کی تمام کتابیں یاد کر لیں اور کعب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نسخے بھی از بر کر لئے، پھر اپنی والدہ اور بھائی احمد کے ہمراہ حج کے لئے مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔ حج سے فراغت پائی تو ان کی والدہ اور بھائی وطن واپس چلے آئے اور وہ خود بلاد حجاز میں طلب حدیث کیلئے رک گئے۔ اٹھارہ سال کے ہوئے تو سلسلہ تصنیف شروع کیا اور فضائل صحابہ و تابعین اور ان کے اقوال کا ذخیرہ فراہم کرنے لگے، یہاں تک کہ اس کو ایک مجموعہ کی شکل دے کر اور مرتب کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک پر ”کتاب

التاریخ“ کا مسودہ شروع کر دیا۔ آپ راتوں کو چاند کی روشنی میں لکھا کرتے تھے۔ حاشد ابن اسماعیل رحمہ اللہ تعالیٰ (جو امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے زمانہ کے محدث ہیں) کہتے ہیں کہ:

”امام بخاری طلب حدیث کے لئے میرے ہمراہ شیوخ وقت کی خدمت میں آمد و رفت رکھتے تھے، لیکن ان کے پاس قلم و دوات یعنی لکھنے کا سامان کچھ نہ ہوتا تھا اور نہ وہاں کچھ لکھتے تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ جب تم حدیث کو سن کر لکھتے نہیں تو تمہارے آنے جانے سے کیا فائدہ؟ اس طرح سننا تو ہوا کی طرح ہے، ایک کان سے گھس کر دوسرے کان سے نکل جاتی ہے۔ سولہ دن کے بعد امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے کہا کہ تم لوگوں نے مجھ کو تنگ کر دیا، آؤ اب میری یاد کا اپنے نوشتوں سے مقابلہ کرو، اس مدت میں ہم نے پندرہ ہزار حدیثیں لکھی تھیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے از بر صحت کے ساتھ سب کو اس طرح سنایا کہ میں خود اپنی لکھی ہوئی کو ان سے صحیح کرتا تھا، اس کے بعد امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ تم یہ خیال کرتے ہو کہ میں عبث اور بے فائدہ سرگردانی کرتا ہوں؟ حاشد بن اسماعیل کہتے ہیں کہ میں اسی روز سمجھ گیا تھا کہ یہ ہونہار ہیں اور آگے چل کر کوئی ان سے مقابلہ نہ کر سکے گا۔“

”جامع صحیح بخاری“ کی تصنیف کا سبب یہ ہوا کہ وہ ایک دن اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی مجلس میں حاضر تھے، اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے احباب نے کہا کہ کیا اچھا ہو اگر اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی توفیق دے کہ سنن میں کوئی ایسا مختصر تیار کرے جس میں صرف صحیح حدیثیں ہوں جو صحت میں اعلیٰ مرتبہ رکھتی ہوں تاکہ عمل کرنے والے بلا خوف و تردد مجتہدین کی طرف مراجعت کئے بغیر اس پر عمل پیرا ہوں۔ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے دل میں یہ بات جاگزیں ہوگئی اور اسی وقت سے اس جامع کی تصنیف کا خیال پیدا ہوا، چنانچہ چھ لاکھ حدیثوں کے ذخیرہ میں سے

جوان کے پاس موجود تھا انتخاب شروع کیا، جوان میں صحیح ترین تھیں ان پر اکتفاء کیا اور بعض وہ احادیث جو اسی درجہ پر صحیح تھیں ان کو طوالت کے خوف یا کسی دوسرے سبب چھوڑ بھی دیا۔

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ جب کسی حدیث کے لکھنے کا ارادہ کرتے تھے تو اول غسل کر کے دو رکعت نفل ادا فرماتے اور اس کو لکھتے، چنانچہ سولہ سال کے عرصہ میں اس انتخاب سے فراغت پائی۔ جب اس کا قصد کیا کہ ان حدیثوں کی ان کے مضمون کے مطابق ترتیب دی جائے (اس کو اصطلاح محدثین میں ترجمۃ الباب کہتے ہیں) تو مدینہ منورہ میں قبر مبارک اور منبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیانی مقام میں اس اہم کام کو انجام دیا، ہر ترجمہ پر دو رکعت نفل ادا کرتے تھے۔

الغرض امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی حسن نیت کا نتیجہ تھا کہ ”جامع صحیح“ اس قدر مقبول ہوئی کہ ان کی زندگی ہی میں اس کو نوے ہزار (۹۰۰۰۰) آدمیوں نے آپ سے بلا واسطہ سنا، جن میں سب سے آخری فربری رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں اور آجکل ان کی روایت ہی علو اسناد کی وجہ سے شائع و مشہور ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی نادر باتوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ:

”مجھ کو امید ہے کہ قیامت کے دن مجھ سے کسی شخص کی غیبت کا سوال نہ

کیا جائے گا، کیونکہ میں نے بفضل اللہ کسی کی غیبت نہیں کی۔“

سبحان اللہ! کس قدر تعفف اور تواضع تھا۔

طریقہ صالحین کے مطابق بخاری پر بھی کئی طرح کی آزمائشیں آئیں ان میں سے ایک یہ کہ خالد بن احمد ذہلی امیر بخارانے ان کو اس امر کی تکلیف دینی چاہی کہ اس کے مکان پر آکر اس کے بیٹوں کو ”جامع“ و ”تاریخ“ اور دوسری کتابوں کا درس دیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا یہ حدیث کا علم ہے میں اس کو ذلیل

کرنا نہیں چاہتا، اگر تم کو غرض ہے تو اپنے بیٹوں کو میری مجلس میں بھیج دیا کرو تا کہ دوسرے طلبہ کی طرح وہ بھی علم حاصل کریں، امیر نے کہا اگر ایسا ہے تو جس وقت میرے بیٹے آپ کے پاس آئیں آپ دوسرے طلبہ کو اپنی خدمت میں نہ آنے دیں، میرے دربان اور چوکیدار دروازہ پر تعینات رہیں گے، میری نخوت اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ جس مجلس میں میرے بیٹے موجود ہوں وہاں جو لہے اور دھننے بھی ان کے ہمنشین ہوں۔ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بھی قبول نہیں کیا اور فرمایا کہ:

”یہ علم پیغمبر کی میراث ہے اس میں ساری امت شریک ہے، کسی کی کوئی خصوصیت نہیں۔“

اس گفت و شنید سے امیر مذکور امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ سے رنجیدہ ہو گیا۔ طرفین میں کدورت بڑھتی رہی۔ نوبت بائین جا رسید کہ امیر مذکور نے ابی الورقاء اور اس وقت کے دوسرے علماء ظاہری کو اپنے ساتھ ملا لیا اور امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے مسلک پر طعن کرنے لگے اور ان کے اجتہاد میں غلطیاں نکال کر ایک محضرتیار کرایا اور اس حیلہ و بہانہ سے بخارا سے ان کو نکال دیا۔ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ وہاں سے روانہ ہوئے تو انہوں نے جناب الہی میں دعاء کی کہ اے اللہ! ان لوگوں کو اس بلا میں مبتلا کر جس میں وہ مجھ کو کرنا چاہتے ہیں۔

ابھی ایک مہینہ بھی نہ گزرنے پایا تھا کہ خالد بن احمد معزول ہوا۔ خلیفہ وقت کا حکم پہنچا کہ ان کو گدھے پر سوار کر کے شہر میں گھمائیں۔ انجام کار اس کو کامل تباہی کا سامنا ہوا جیسا کہ کتب تاریخ میں لکھا ہوا ہے اور مشہور ہے۔ حریش بن ابی الورقاء کو بھی بے حد رسوائی اور فضیحت کا منہ دیکھنا پڑا، ان کا وقار خاک میں مل گیا، نیز اس وقت ان علماء کو بھی جو امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے درپے تذلیل اور (خالد بن احمد ذہلی کے) مشورہ میں شریک تھے پوری پوری آفت پہنچی۔

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ اس بے کسی کی حالت میں پہلے نیشاپور گئے، جب وہاں کے امیر سے بھی نہ بنی تو وہاں سے مراجعت کر کے خرنگ تشریف لے آئے۔ (یہ ایک گاؤں کا نام ہے جو سمرقند سے تین فرسخ [دس میل] کے فاصلہ پر واقع ہے) ۲۵۶ھ میں شب جمعہ کو لیلیۃ الفطر تھی عشاء کی نماز کے وقت اسی جگہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کا انتقال ہوا۔ عید کے دن نماز ظہر کے بعد دفن کر دیئے گئے۔ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی عمر ۶۲ سال تھی۔

عبدالواحد طوسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو اس زمانہ کے صلحاء و اکابر اولیاء میں سے تھے خواب میں دیکھا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مع اپنے اصحاب کے سر راہ منتظر کھڑے ہیں انہوں نے سلام کر کے عرض کیا یا رسول اللہ! کس کا انتظار ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا محمد بن اسماعیل بخاری کا انتظار کر رہا ہوں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس خواب کے چند روز بعد ہی میں نے امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی وفات کی خبر سنی، جب میں نے لوگوں سے وقت وفات کی تحقیق کی تو وہی ساعت معلوم ہوئی جس میں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں منتظر دیکھا تھا۔

وقت شدت، خوف دشمن، سختی مرض، قحط سالی اور دیگر بلاؤں میں ”بخاری“ کا پڑھنا تریاق کا کام دیتا ہے، چنانچہ اکثر اس کا تجربہ ہو چکا ہے۔



۱۔ کسی نے مختصر طور پر ولادت، وفات اور عمر کا یوں ذکر کیا ہے۔

كَانَ الْبَخَارِيُّ حَافِظًا وَ مُحَدِّثًا جَمَعَ الصَّحِيحَ مُكْمَلِ التَّخْرِيبِ
مِثْلَ صِدْقٍ وَ مَدَّةٍ عُمَرِهِ فِيهَا حَمِيدٌ وَ انْقَضَى فِي نَوْرِ

بیتِ العلمِ عربی

تذکرہ امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ

امام مسلم ابن الحجاج القشیری نیشاپوری رحمہ اللہ تعالیٰ کی کنیت ابو الحسین اور لقب عساکر الدین ہے۔ ان کے دادا کا نام مسلم بن ورد بن کرشاد ہے۔ بنی قشیر عرب کے مشہور قبیلہ کی طرف منسوب تھے۔ نیشاپور خراسان کا ایک بہت خوبصورت اور بڑا شہر ہے اس لحاظ سے نیشاپوری بھی کہے جاتے تھے۔

امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ علم حدیث کے اکابرین میں شمار کئے جاتے ہیں۔ ابو زرہ رازی اور ابو حاتم رحمہم اللہ تعالیٰ نے ان کی امامت حدیث کی گواہی دی ہے اور ان کو محدثین کا پیشوا تسلیم کیا ہے۔ ابو حاتم رازی رحمہ اللہ تعالیٰ اور اس زمانہ کے دوسرے بزرگوں مثلاً امام ترمذی اور ابوبکر بن خزیمہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے ان سے روایت کی ہے۔

امام مسلم کی بہت سی تالیفات ہیں، جن میں تحقیق و امعان کامل طور سے کیا گیا ہے اور ”صحیح مسلم“ میں تو خصوصیت کے ساتھ علم حدیث کے عجائبات بیان کئے گئے ہیں اور ان میں بھی انحصار خصوص اسانید اور متون کا حسن سیاق ہے اور روایت میں تو آپ کا ورع تام اور احتیاط اس قدر ہے جس میں کلام کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ اختصار کے ساتھ اسانید کی تلخیص اور ضبط انتشار میں یہ کتاب بے نظیر واقع ہوئی ہے۔ اسی طرح حافظ ابو علی نیشاپوری رحمہ اللہ تعالیٰ ان کی اس صحیح کو تمام تصانیف علم حدیث پر ترجیح دیا کرتے تھے:

۱۔ امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ کے ترجمہ کے لئے دیکھیے ”سیر اعلام النبلاء“ ۱۲/۵۵۷۔

۲۔ ”انساب السمعانی“ ۱۰/۱۵۵۔ ”تذکرہ لحفاظ“ ۱۲/۵۵۷۔ ”التقریب“ ۲/۲۴۵۔ ”تاریخ

الخطیب“ ۱۳/۱۰۰۔ ”تہذیب الکمال“ ۲۷/۴۹۹۔ ”الکامل فی التاریخ“ ۷/۲۸۹، و

۱۱۳/۸

بیتِ العلمِ عربی

”مَاتَحْتَ أَدِيمِ السَّمَاءِ أَصَحَّ مِنْ كِتَابِ مُسْلِمٍ“ (فی علم

الحدیث)

یعنی علم حدیث میں روئے زمین پر ”مسلم“ سے بڑھ کر صحیح ترین اور کوئی کتاب نہیں ہے۔ اہل مغرب کی ایک جماعت کا بھی یہی خیال ہے۔ اس دعویٰ کی دلیل یہ ہے کہ امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرط لگائی ہے کہ وہ اپنی صحیح میں صرف وہ حدیث بیان کریں گے جس کو کم از کم دو تابعین نے دو صحابہ سے روایت کیا ہو اور یہی شرط تمام طبقات تابعین میں ملحوظ رکھی ہے یہاں تک کہ سلسلہ اسناد ان (امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ) تک ختم ہو۔

دوسرے یہ کہ وہ راویوں کے اوصاف میں بھی صرف عدالت ہی پر اکتفاء نہیں کرتے، بلکہ شرائط شہادت کو بھی پیش نظر رکھتے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس قدر پابندی نہیں ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے نہایت تورع اور احتیاط کے ساتھ اپنی سنی ہوئی تین لاکھ حدیثوں میں سے اس صحیح کا انتخاب کیا ہے۔

امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ کے عجائبات میں سے یہ بھی ہے کہ آپ نے عمر بھر میں کسی کی غیبت نہیں کی، نہ کسی کو مارا اور نہ کسی کو گالی دی۔

صحیح و سقیم حدیثوں کی پہچان میں اپنے تمام اہل عصر میں ممتاز تھے بلکہ بعض امور میں ان کو امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ پر بھی ترجیح و فضیلت حاصل ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی اکثر روایات اہل شام سے بطریق مناولہ (یعنی ان کی کتابوں سے لی گئیں ہیں خود ان کے مؤلفین سے نہیں سنی گئیں) اس لئے ان کے راویوں میں کبھی کبھی امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ سے غلطی واقع ہو جاتی ہے۔ ایک ہی راوی کہیں اپنی کنیت اور کہیں اپنے نام سے مذکور ہوتا ہے امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ اس کو دو سمجھ لیتے ہیں۔ یہ مغالطہ امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ کو پیش

نہیں آتا۔

نیز حدیث میں امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے تصرفات مثلاً تقدیم و تاخیر، حذف و اختصار کی وجہ سے بعض مرتبہ تعقید پیدا ہو جاتی ہے، ہر چند کہ خود بخاری ہی کے دوسرے طرق دیکھ کر وہ صاف بھی ہو جاتی ہے لیکن امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ طریقہ ہی اختیار نہیں کیا بلکہ متون حدیث کو موتیوں کی لڑی کے مانند اس طرح مرتب کیا ہے کہ تعقید کے بجائے اس کے معانی اور چمکتے چلے جاتے ہیں۔

”صحیح مسلم“ کی طرح امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ کی دوسری مفید تالیفات بھی ہیں مثلاً: ”کِتَابُ الْمُسْنَدِ الْكَبِيرِ عَلَي الرَّجَالِ“ ”کِتَابُ الْأَسْمَاءِ وَالْكُنَى“ ”کِتَابُ الْعِلَلِ“ ”کِتَابُ الْوَحْدَانِ“ ”کِتَابُ حَدِيثِ عَمْرٍو بْنِ شُعَيْبٍ“ ”کِتَابُ مَشَائِخِ مَالِكٍ“ ”کِتَابُ ذِكْرِ أَوْهَامِ الْمُحَدِّثِينَ“ ”کِتَابُ التَّابِعِينَ“۔

ابوحاتم رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو اکابر محدثین میں سے ہیں امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا اور ان کا حال دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ: اللہ تعالیٰ نے اپنی جنت کو میرے لئے مباح کر دیا ہے جہاں چاہتا ہوں رہتا ہوں۔ ابوعلی زاغوانی کو ان کی وفات کے بعد کسی شخص نے خواب میں دیکھا اور ان سے پوچھا کہ کس عمل سے تمہاری نجات ہوئی؟ تو انہوں نے ”صحیح مسلم“ کے چند اجزاء کی طرف اشارہ کر کے فرمایا ان اجزاء کی بدولت۔

امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ ۲۰۲ھ میں پیدا ہوئے اور بعض نے کہا ۲۰۳ھ میں اور بعض ۲۰۶ھ بیان کرتے ہیں۔ ابن الاثیر نے ”جامع الاصول“ کے مقدمہ میں اسی کو اختیار کیا ہے، واللہ اعلم۔ ان کی وفات پر سب کا اتفاق ہے کہ ان کا انتقال یکشنبہ کی شام کو ہوا اور ۲۵ رجب ۲۶۱ھ میں دوشنبہ کے روز دفن کئے گئے۔

امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ کی وفات کا سبب بھی عجیب و غریب ہے۔ کہتے ہیں کہ

ایک روز مجلس مذاکرہ حدیث میں آپ سے کوئی حدیث پوچھی گئی آپ اس وقت اس کو نہ پہچان سکے، اپنے مکان پر تشریف لائے اور اپنی کتابوں میں اس کو تلاش کرنے لگے، کھجوروں کا ایک ٹوکرا ان کے قریب رکھا تھا آپ اسی حالت میں ایک ایک کھجور اس میں سے کھاتے رہے، امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ حدیث کی فکر و جستجو میں کچھ ایسے مستغرق رہے کہ حدیث کے ملنے تک تمام کھجوروں کو تناول فرما گئے اور کچھ خبر نہ ہوئی، بس یہی زیادہ کھجور کھا لینا ان کی موت کا سبب بنا۔ حافظ عبدالرحمن بن علی الربیع یمنی شافعی کہتے ہیں۔

تَنَازَعَ قَوْمٌ فِي الْبُخَارِيِّ وَمُسْلِمٍ لَدَيَّ وَ قَالُوا أَيُّ ذَيْنِ يُقَدَّمُ
فَقُلْتُ لَقَدْ فَاقَ الْبُخَارِيُّ صِحَّةً كَمَا فَاقَ فِي حُسْنِ الصَّنَاعَةِ مُسْلِمٌ

ترجمہ: ”میرے سامنے امام بخاری و امام مسلم رحمہم اللہ تعالیٰ کے بارے میں لوگوں نے تنازع کیا اور کہا کہ ان دونوں میں سے (مرتبہ) میں کون مقدم ہے، میں نے کہا امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ صحت کے اعتبار سے فوقیت رکھتے ہیں، جیسے امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ حسن ترتیب میں ان سے بڑھے ہوئے ہیں۔“



۱۔ ”فتح الملہم“ ۲۷۶/۱، ”بستان المحدثین“ اردو، ص ۱۸۰۔

تذکرہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا مبارک نسب یہ ہے: ابو عبد اللہ مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر بن عمرو بن حارث بن غیمان بن غنیل الاصحی المدنی۔ صبح یہ قبیلہ قحطان کی ایک شاخ ہے جو یمن کا باعزت قبیلہ سمجھا جاتا ہے۔ آپ کے جد اعلیٰ حارث قبیلہ صبح سے تعلق رکھتے ہیں اور اسی لئے ان کا لقب ”ذو صبح“ ہے۔ آپ کے آباء و اجداد میں سب سے پہلے اسلام لانے والے آپ کے پردادا ابو عامر ہیں۔ ان کے صحابی ہونے میں علمائے اسماء الرجال کا اختلاف ہے۔ علامہ ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب ”تَجْرِيدُ الصَّحَابَةِ“ میں ان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ کسی کو میں نے ان کا شمار صحابہ میں کرتے ہوئے نہیں پایا۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب ”الإصابة“ میں ان کو قسم ثالث میں بیان کیا ہے اور وہاں صرف ذہبی کا قول ذکر کیا۔ اصابہ میں قسم ثالث ان صحابہ کے تذکرہ میں ہے جنہوں نے جاہلیت اور اسلام دونوں زمانوں کو پایا اور کسی بھی روایت میں یہ نہیں آیا کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اور

۱۔ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے ترجمہ کے لئے دیکھیے: ”تہذیب الکمال“ ۹۱/۲۷۔ ”طبقات ابن سعد“ ۲۵۰/۹۔ ”حلیۃ الاولیاء“ ۳۱۶/۶۔ ”انساب السمعانی“ ۲۸۷/۱۔ ”الکامل فی التاریخ“ ۵۳۲/۵۔ ”الفہرس لابن ندیم“ ۲۸۴/۲۸۔ ”تہذیب الاسماء للنووی“ ۷۹، ۷۵/۲۔ ”سیر اعلام النبلاء“ ۴۸/۸، ۱۲۱۔ ”تذکرۃ الحفاظ“ ۲۰۷/۱۔ ”خلاصۃ الخزرجی“ ۳۔ ”الترجمۃ“ ۶۷۹۶۔ ”صفة الصفوة“ ۱۷۷/۲، ۱۸۰۔ ”الکاشف“ ۳۔ ”الترجمۃ“ ۵۳۲۹۔ ”البداية النہایة“ ۱۷۴/۱، ۱۷۵۔ ”التقریب“ ۲۲۳/۲۔

قاضی ابوبکر بن العلی القشیری سے نقل کیا ہے کہ وہ جلیل القدر صحابی ہیں اور غزوہ بدر کے علاوہ تمام غزوات میں شریک رہے ہیں۔ علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "تَنْوِیْرُ الْحَوَالِکِ" میں اسی کو اختیار کیا ہے اور آپ کے دادا مالک بن عامر کے تابعی ہونے میں کوئی کلام نہیں، بلکہ کبار تابعین میں سے ہیں اور صحاح ستہ کے راویوں میں سے ہیں۔ علامہ زرقانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جن چار اشخاص نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غسل دیا اور رات کو لے جا کر قبر میں دفن کیا ان میں سے ایک ہیں۔

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سن ۹۳ھ میں پیدا ہوئے، چنانچہ یحییٰ بن کبیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے بڑے شاگردوں میں سے ہیں یہی بیان کیا ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ شکم مادر میں معمول سے زیادہ رہے۔ اس مدت کو بعض نے دو سال بیان کیا ہے اور بعض نے تین سال کہا ہے۔ آپ کی وفات ۹۷ھ میں ہوئی۔

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ دراز قد، موٹا بدن، سفید رنگ، مائل بہ زردی، کشادہ چشم خوبصورت ناک بلند رکھتے تھے۔ ان کی پیشانی میں سر کے بال کمی کے ساتھ تھے، ایسے شخص کو عربی میں اصلع کہتے ہیں۔ حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی اصلع تھے۔ ڈاڑھی گنجان اور اس قدر لمبی تھی کہ سینہ تک پہنچی تھی اور مونچھوں کے ان بالوں کو جو لبوں کے کنارہ پر ہوتے تھے کترواتے تھے اور منڈوانے کو مکروہ سمجھتے تھے۔ فرماتے تھے کہ: "مونچھ کا منڈوانا مثلاً میں داخل ہے اور مونچھ بھی آپ کی وافر تھی اور اس میں جناب امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیروی کرتے تھے، چنانچہ منقول ہے کہ:

"إِنَّهُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ كَانَ يَفْتَلُ سُبَالَتَهُ إِذَا أَهَمَّهُ أَمْرٌ"

لہ مقدمہ اوجز، الباب الثانی، الفصل الاول

بیچ (علم و سنت)

یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب کوئی عظیم امر پیش آتا تو اپنی مونچھ کو بیچ دیا کرتے تھے۔

واقفی نے بیان کیا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی ۹۰ سال کی عمر ہوئی ہے، لیکن آپ نے ڈاڑھی کا کبھی خضاب نہیں کیا اور نہ حمام میں تشریف لے گئے۔ (قدیم زمانہ میں مستقل عمارت ہوتی تھی جہاں گرم پانی سے غسل کا نظم ہوتا تھا اور خدام بدن کی ماش وغیرہ کے لئے مقرر ہوتے تھے)

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ خوش پوشاک تھے، عدن کے بنے ہوئے کپڑے پہنتے تھے۔ (عدن یمن کا ایک شہر ہے اور وہاں کے کپڑے نفیس اور بیش قیمت ہوتے تھے) علاوہ ازیں خراسان اور مصر کے اعلیٰ قسم کے کپڑے بھی پہنتے تھے۔ آپ کا لباس اکثر سفید ہوتا تھا اور اکثر عطر لگایا کرتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ:

"جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے ثروت یعنی مال و دولت عطا کی ہو اور اس کا

اثر اس پر ظاہر نہ ہو تو میں ایسے شخص کو پسند نہیں کرتا ہوں، کیونکہ اس نے حق تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت کو چھپا کر کفران نعمت کیا ہے۔"

اشہب رحمہ اللہ تعالیٰ جو امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگرد ہیں کہتے ہیں کہ جس وقت امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ عمامہ باندھتے تھے تو اس کا ایک پلہ تھوڑی کے نیچے کر کے سر پر باندھتے تھے اور اس کی ایک جانب کو (جس کو اس ملک کے رواج کے مطابق شملہ اور اہل عرب عذبہ کہتے ہیں) دونوں شانوں کے درمیان ڈالتے تھے۔

عذر اور بیماری کے سوا سرمہ لگانے کو مکروہ خیال فرماتے تھے۔ آپ جب کبھی کسی ضرورت سے سرمہ لگاتے تھے تو باہر تشریف نہ لاتے تھے بلکہ گھر ہی میں بیٹھے رہتے تھے۔

لہ "بستان المحدثین" اردو ص ۱۳.

بیچ (علم و سنت)

امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی انگشتی چاندی کی تھی، اس میں سیاہ رنگ کا گینہ جڑا ہوا تھا اور ﴿حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ﴾ اس پر کندہ تھا۔ مطرف رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگردوں میں سے ہیں انگشتی پر اس آیت کو کندہ کرانے کا سبب دریافت کیا تو فرمایا: میں نے سنا ہے کہ حق تعالیٰ کلام مجید میں مومنین کے حق میں فرماتے ہیں ﴿قَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ﴾ پس اس وجہ سے میرا دل یہ چاہتا ہے کہ آیت کا مضمون میرا نصب العین رہے اور ہر وقت میرے پیش نظر رہ کر میرے دل پر یہ نقش ہو جائے۔

امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے مکان کے دروازے پر یہ کلمہ لکھا ہوا تھا "مَا شَاءَ اللَّهُ" اس کا سبب بھی کسی سائل نے دریافت کیا تو فرمایا کہ: حق تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿وَلَوْلَا إِذْ دَخَلْتَ جَنَّتِكَ قُلْتَ مَا شَاءَ اللَّهُ﴾ اور میری جنت میرا مکان ہے پس یہ چاہتا ہوں کہ جب گھر میں آؤں تو یہ کلمہ مجھ کو یاد آ کر میری زبان پر جاری ہو جائے۔

مدینہ منورہ میں جس مکان میں رہتے تھے وہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مکان تھا، جو جلیل القدر صحابہ میں سے تھے۔ مسجد نبوی میں آپ کی نشست اس جگہ تھی جہاں امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیٹھتے تھے۔

امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: میں نے تمام عمر کسی بیوقوف یا کوتاہ عقل والے کے ساتھ ہم نشینی نہیں کی۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے کہ: یہ ایک ایسی بڑی بات ہے جو سوائے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے کسی کو میسر نہیں ہوئی، علماء کے زمرہ میں اس سے بہتر اور کوئی فضیلت نہیں ہوتی، اس لئے کہ بیوقوفوں کی صحبت نورِ علم کو تاریک کر دیتی ہے اور تحقیق کی بلند چوٹی سے گرا کر تقلید کی پستی میں ڈال دیتی ہے، جس کی وجہ سے علم کی نفاست میں ایک گونہ خرابی اور نقصان آجاتا ہے۔

چونکہ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کھانا پینا خلوت میں رکھتے تھے اس وجہ سے کسی نے آپ کو کھاتے پیتے نہیں دیکھا۔ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ باوجود وقار اور خود داری کے اپنے اہل و عیال اور نوکر چاکر کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے تھے اور اس معاملہ میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی فرماتے تھے۔

علم طلب کرنے کی غرض اور خواہش بہت تھی۔ زمانہ طالب علمی میں آپ کے پاس ظاہری سرمایہ کچھ زیادہ نہیں تھا، مکان کی چھت توڑ کر اس کی کڑیوں کو فروخت کر کے کتب وغیرہ کے صرف میں خرچ فرمایا کرتے تھے، اس کے بعد دولت کا دروازہ ان پر کھل گیا اور کثرت سے بڑی بڑی فتوحات شروع ہو گئیں۔

آپ کا حافظہ بہت اعلیٰ درجہ کا تھا، یہ فرمایا کرتے تھے جس چیز کو میں نے محفوظ کر لیا اس کو پھر کبھی نہیں بھولا۔ سترہ سال کی عمر میں آپ نے مجلسِ افادہٴ تعلیم کی ابتدا فرمائی تھی۔

لوگ یہ نقل کرتے ہیں کہ اسی زمانہ میں مدینہ منورہ میں ایک نیک عورت کی وفات ہوئی، جب غسل دینے والی عورت نے اس کو غسل دیا تو اس نیک بخت مردہ عورت کی شرمگاہ پر ہاتھ رکھ کر یہ کہا کہ یہ فرج کتنی زنا کار تھی، فوراً اس کا ہاتھ فرج پر ایسا چپاں ہوا کہ اس کے جدا کرنے کی سب نے کوشش و تدبیر کی، مگر فرج سے اس کا ہاتھ جدا نہ ہوا، انجام کار اس مشکل کو علماء اور فقہاء میں پیش کر کے اس کا علاج اور تدبیر دریافت کی، سب کے سب اس سے عاجز ہوئے، لیکن امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس راز کی حقیقت کو اپنے ذہن رسا اور کامل فہم سے دریافت کر کے یہ فرمایا کہ: اس غسل دینے والی کو حدِ قذف (یعنی وہ سزا جو شریعت نے زنا کی تہمت لگانے والے کے لئے مقرر کی ہے) لگائی جائے۔ آپ کے اس ارشاد کے مطابق جب اس کے آس (۸۰) دڑے لگائے تو ہاتھ فرج سے فوراً جدا ہو گیا۔ سب کے دلوں میں امام

صاحب کی ریاست و امامت اسی دن سے راسخ طور سے جاگزیں ہو گئی۔

امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی مجلس ایسی ہیبت اور وقار کی ہوتی تھی کہ اس میں شور و شغب ہونا تو درکنار کسی شخص کو بلند آواز سے گفتگو کرنے کی مجال اور طاقت نہ ہوتی تھی۔

استاذ سے سند حاصل کرنے کے دو طریقے ہیں: اول یہ کہ استاذ پڑھے اور شاگرد سنتے رہیں، دوسرا یہ کہ شاگرد پڑھے، استاذ اس کو سنتے رہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے یہاں یہی دوسرا طریقہ مروج تھا اور اس کی خاص وجہ یہ تھی کہ اہل عراق نے قرأت علی الشیخ کے طریق کو ترک کر دیا تھا اور حدیث حاصل کرنے کے طریق کو پہلی صورت پر منحصر خیال کرتے تھے اور شیخ ہی سے سماع طلب کرتے تھے۔ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اور نیز دوسرے مجاز و مدینہ کے عالموں نے اس وہم کو دفع کرنے کی غرض سے اسی طریق کو اختیار فرمایا تھا، ورنہ قدیم محدثین کے یہاں بھی یہی طریق مروج تھا کہ شیخ اپنے شاگردوں کو خود پڑھ کر سنایا کرتے تھے، اس طریق کو محدثین کی اصطلاح میں "قِرَاءَةُ الشَّيْخِ عَلَي التَّلْمِيذِ" کہتے ہیں۔

یحییٰ بن بکیر رحمہ اللہ تعالیٰ جو امام صاحب کے منجملہ شاگردوں کے ایک شاگرد ہیں اور اصحابِ مؤطا میں سے ایک ہیں، چودہ دفعہ کتاب مؤطا کو امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان کی قرأت سے سنا ہے۔

ابن حبیب رحمہ اللہ تعالیٰ جو امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے مخصوص احباب میں سے ہیں، بیان کرتے ہیں کہ امام صاحب حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نہایت ادب فرماتے تھے اور کمال ادب کی وجہ سے اس قدر احتیاط تھی کہ بوقت افادۂ حدیث اس مجلس میں کبھی زانو کو بھی نہیں بدلتے تھے، بلکہ جس ہیبت اور حالت کے ساتھ اول بیٹھتے تھے آخر تک وہی ایک حالت رہتی تھی۔

تمام عمر مدینہ کے حرم میں آپ نے قضائے حاجت نہیں کی بلکہ ہمیشہ حرم سے

باہر تشریف لے جاتے تھے، البتہ حالتِ مرض میں مجبوری کی وجہ سے معذور تھے۔

جب حدیث شریف سنانے کے لئے بیٹھتے تھے تو آپ کے لئے ایک چوکی بچھائی جاتی تھی اور آپ عمدہ کپڑے پہن کر خوشبو لگا کر حجرہ سے باہر نہایت عجز و انکسار کے ساتھ آکر اس پر بیٹھ کر حدیث سنتے تھے اور جب تک اس مجلس میں حدیث کا ذکر رہتا تھا حجر یعنی انگلیٹھی میں عود (لوبان) ڈالتے رہتے تھے۔

عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ جو امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگرد ہیں اور حدیث، فقہ، تفسیر اور قرأت کے بڑے امام ہیں اور علماء کے طبقہ میں ایسے مشہور ہیں کہ ان کی شہرت، تعریف و توصیف سے بالکل مستغنی کرتی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز میں امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ روایت حدیث فرما رہے تھے، ایک بچھو نے نیش زنی کرنی شروع کی تو شاید دس مرتبہ آپ کو کاٹا۔ اس تکلیف کی وجہ سے امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا چہرہ کچھ متغیر ہو کر مائل بہ زردی ہو جاتا، مگر امام صاحب نے حدیث کو قطع نہیں فرمایا اور نہ کچھ لغزش آپ کے کلام میں ظاہر ہوئی۔

جب مجلس حدیث ختم ہوئی اور سب آدمی چلے گئے تو میں نے آپ سے عرض کیا کہ آج آپ کے چہرہ پر کچھ تغیر محسوس ہوتا تھا؟ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا بے شک تمہارا خیال صحیح ہے اور پھر تمام واقعہ ان سے بیان کر کے فرمایا:

”میرا اس قدر صبر کرنا اپنی طاقت کی بنا پر نہ تھا بلکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی تعظیم کی وجہ سے تھا۔“

سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ ایک روز امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی مجلس میں آئے تو مجلس کی عظمت و جلال اور اس کی شان و شوکت کے ساتھ انوار کی کثرت اور برکتوں کو دیکھ کر امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی مدح میں یہ قطعہ نظم فرمایا۔

يَا بِي الْجَوَابَ فَلَا يُرَاجَعُ هَيْبَةً وَالسَّائِلُونَ نَوَاصِيسُ الْأَذْقَانِ
أَدَبَ الْوَقَارِ وَعَزَّسُلْطَانَ التَّمَقِّي فَهُوَ الْمَطَاعُ وَكَيْسٌ ذَا سُلْطَانَ
تَرْجَمَهُ: ”(اگر امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ) جواب دینا چھوڑ دیں تو سب
سائل اپنا سر نیچا کئے بیٹھے رہیں اور آپ کی ہیبت سے دوبارہ نہ پوچھ
سکیں۔

وقار آپ کا ادب کرتا تھا اور آپ پر ہیزگاری کی بادشاہت پر عزت
کے ساتھ متمکن تھے (عجیب بات یہ تھی کہ) آپ کی اطاعت کی جاتی
تھی حالانکہ آپ بادشاہ نہ تھے۔“

بشر حافی رحمہ اللہ تعالیٰ جو ایک مشہور صوفی اور باخدا آدمی تھے، وہ فرماتے ہیں
کہ دنیا کی نعمتوں اور زینتوں میں سے کسی شخص کا ”حدیثنا مالک“ کہنا بھی ایک
بڑی نعمت ہے، یعنی امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی شان و شوکت اس درجہ پہنچ گئی ہے کہ
شاگرد اس کو دنیاوی مفاخر سے شمار کرتا ہے، حالانکہ وہ آخرت کا وسیلہ اور امور دین کا
ذریعہ ہے۔

امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اکثر اس شعر کو پڑھا کرتے تھے ۔
وَحَيْرٌ أُمُورِ الدِّينِ مَا كَانَ سُنَّةً وَشَرُّ الْأُمُورِ الْمُخَدَّنَاتُ الْبَدَائِعِ
تَرْجَمَهُ: ”دین کا بہتر کام وہ ہے جو طریقہ رسول کے مطابق ہو اور بد
ترین کام وہ ہے جو سنت کے خلاف نئی نئی بدعتیں اپنی طرف سے تراش
لی ہوں۔“

یہ شعر حکمت سے پر ہے، کیونکہ شاعر نے ایک حدیث نبوی کے مضمون کو نظم کیا
ہے۔

منجملہ اور کلاموں کے ایک کلام امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ بھی ہدایت آمیز

۱۔ مشکوٰۃ، باب الاعتصام بالکتاب والسنة.

ہے:

”لَيْسَ الْعِلْمُ بِكَثْرَةِ الرَّوَايَةِ إِنَّمَا هُوَ نُورٌ يَضَعُهُ اللَّهُ فِي الْقَلْبِ“
یعنی کثرت سے روایت کرنے کا نام علم نہیں ہے وہ تو ایک نور ہے اللہ تعالیٰ
جس کے لئے چاہتا ہے اس کے قلب میں ڈالتا ہے۔ یہ کلمہ ایک گہری تحقیق رکھتا
ہے جس کو اہل بصیرت خوب جانتے ہیں۔

ایک روز آپ سے کسی نے یہ دریافت کیا کہ:

”مَا تَقُولُ فِي طَلَبِ الْعِلْمِ؟“

تو آپ نے جواب میں فرمایا:

”حَسَنٌ جَمِيلٌ لَكِنِ انْظُرْ مَا يُلْزِمُكَ مِنْ حِينَ تَصْبِحُ إِلَى
أَنْ تُمْسِيَ فَالْزِمُهُ“

طلب علم اچھی چیز ہے مگر انسان کو یہ خیال کرنا چاہئے کہ صبح سے شام تک جو
امور اس پر واجب ہیں ان کو مضبوطی کے ساتھ اختیار کرے۔ آپ کا یہ قول بھی گہری
نظروں سے دیکھنے کے قابل ہے۔

ایک مرتبہ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ:

”لَا يَنْبَغِي لِلْعَالِمِ أَنْ يَتَكَلَّمَ بِالْعِلْمِ عِنْدَ مَنْ لَا يُطِيقُهُ
فَأِنَّهُ ذِلٌّ وَاهَانَةٌ لِلْعِلْمِ“

یعنی عالم کو یہ لائق نہیں کہ وہ علمی مسائل کو ایسے شخص کے سامنے بیان کرے جو
اس کا اہل نہیں ہے، کیونکہ اس میں علم کی اہانت اور ذلت ہے۔

امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ مدینہ منورہ میں سوار ہو کر نہیں نکلتے تھے اور اس کا
سبب یہ بیان فرمایا کرتے تھے کہ:

”أَنَا اسْتَحْيِي مِنَ اللَّهِ أَنْ أَطَأَ تُرْبَةً فِيهَا قَبْرُ رَسُولِ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِحَافِرِ دَابَّةٍ“

سواری کے سم سے ایسی سرزمین کے روندنے میں جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر ہو مجھ کو شرم آتی ہے۔

امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”موطا“ کو تالیف کرنا شروع فرمایا تو دوسرے لوگوں نے بھی اسی طرز پر لکھنا شروع کیا، اس پر بعض لوگوں نے آپ سے عرض کیا کہ آپ اس قدر کیوں تکلیف گوارا فرماتے ہیں؟ دوسرے اشخاص بھی آپ کے شریک ہو کر اسی طرح کی ”موطا“ تصنیف کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ مجھ کو دکھلاؤ!

چنانچہ آپ کے ارشاد کے موافق جب وہ تہ ماہانہ لائی گئیں تو آپ نے ان کو ملاحظہ فرما کر یہ فرمایا کہ: عنقریب یہ معلوم ہو جائے گا کہ صرف خدا کے لئے کون سا امر واقع ہوا ہے اور درحقیقت اب ان کی تصنیفات کا سوائے ”موطا ابن ابی ذئب“ کے نام و نشان بھی معلوم نہیں ہوتا، ہاں ”موطا امام مالک“ قیامت تک مخلوقات کی مخدوم اور علماء اسلام کا سرمایہ رہے گی۔

حافظ ابو نعیم اصفہانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب ”حلیۃ الاولیاء“ میں امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا تذکرہ کرتے ہوئے سند صحیح کے ساتھ یہ نقل کیا ہے کہ سہل بن مزاحم رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو اپنے وقت کے عابدوں میں اور عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ جو مرو کے رہنے والے ہیں ان کے دوستوں میں سے تھے، یہ بیان کیا ہے کہ میں نے ایک روز جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ! اس وقت آپ کا خیر و برکت والا زمانہ تو گزر گیا ہے، اگر ہمارے دل میں دینی کاموں میں کوئی شک و شبہ واقع ہو تو کس شخص سے تحقیق کریں؟ ہم کو ان کا پتہ و نشان بتلا دیجئے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ تم کو جو مشکل پیش آئے اس کو مالک بن انس رحمہ اللہ تعالیٰ سے دریافت کرو۔

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کو جب حدیث کے کسی ٹکڑے میں شک پڑ جاتا تھا تو پوری کی پوری حدیث ترک کر دیتے تھے۔ وہب بن خالد رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ مشرق و مغرب کے درمیان حدیث نبویہ کے بارے میں قابل اطمینان شخص امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی نہیں۔

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ صحیح سند کے ساتھ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک زمانہ آئے گا کہ لوگ دور دور کا سفر کریں گے لیکن عالم مدینہ سے بڑھ کر عالم انہیں کہیں میسر نہیں آئے گا۔ سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس حدیث کا مصداق امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ تھے۔

خلف بن عمر رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں میں امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ مدینہ کے قاری ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کو ایک پرچہ دیا، امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسے پڑھا اور اپنی جان نماز کے نیچے رکھ دیا، جب وہ کھڑے ہوئے تو میں بھی ان کے ساتھ چلنے لگا فرمایا بیٹھ جاؤ اور وہ پرچہ مجھے دیا، کیا دیکھتا ہوں کہ اس میں یہ خواب لکھا ہوا تھا کہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد جمع ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ مانگ رہے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اس منبر کے نیچے بہت بڑا خزانہ دفن کیا ہے اور مالک سے کہہ دیا ہے وہ تمہیں تقسیم کر دیں گے اس لئے مالک کے پاس جاؤ۔ لوگ یہ کہتے ہوئے واپس ہوئے بتاؤ مالک تقسیم کریں گے یا نہیں؟ کسی نے یہ جواب دیا جس بات کا امام مالک کو حکم دیا گیا ہے وہ ضرور اسے پورا کریں گے، اس خواب سے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ پر گریہ طاری ہو گیا اور اتنا روئے کہ میں تو انہیں روتا ہی چھوڑ آیا۔

عبدالرحمن بن مہدی کہتے ہیں کہ ہم امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر تھے ایک شخص آیا اور بولا میں چھ ماہ کی مسافت سے ایک مسئلہ پوچھنے کے لئے

آیا ہوں، فرمایا کہو کیا ہے؟ اس نے بیان کیا، آپ نے فرمایا مجھے اچھی طرح معلوم نہیں، وہ حیران ہو کر بولا تو اپنے شہر والوں سے کیا کہوں؟ فرمایا کہہ دینا کہ مالک نے اپنی لاعلمی کا اقرار کیا ہے۔

آپ کی ہمشیرہ سے پوچھا گیا امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ گھر میں کیا کرتے ہیں؟ فرمایا: تلاوت قرآن۔

محمد شین کے نزدیک اصح الاسانید میں بحث ہے۔ مشہور یہ ہے کہ جس کے راوی مالک نافع سے اور نافع ابن عمر سے ہوں وہ اسناد سب صحیح ہیں۔ امام زہری رحمہ اللہ تعالیٰ جو آپ کے شیوخ میں شامل تھے وہ بھی آپ سے مستفید تھے۔ لیث، ابن مبارک، امام شافعی، اور امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے مشاہیر آپ کے زمرہ تلامذہ میں شامل تھے۔

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرمایا کرتے تھے اگر امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ و حضرت سفیان رحمہ اللہ تعالیٰ نہ ہوتے تو حجاز کا علم ختم ہو جاتا۔

ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ کا بیان ہے کہ پانچ باتیں جس طرح امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ میں جمع ہو گئی ہیں میرے علم میں کسی اور شخص میں جمع نہیں ہوئیں:

- ۱..... اتنی دراز عمر اور ایسی عالی سند۔
- ۲..... ایسی عمدہ فہم اور اتنا وسیع علم۔
- ۳..... آپ کے حجت اور صحیح الروایۃ ہونے پر ائمہ کا اتفاق۔
- ۴..... آپ کی عدالت، اتباع سنت اور دین داری پر محدثین کا اتفاق۔
- ۵..... فقہ اور فتویٰ میں آپ کی مسلم مہارت۔

عقیق زہری رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے شروع میں اپنی ”موطا“ کو دس ہزار احادیث پر مشتمل فرمایا تھا، اس میں آہستہ آہستہ انتخاب فرماتے رہے آخر اس حد تک پہنچا اور جب تک امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ زندہ رہے

”موطا“ کو مسوڈہ کرتے رہے، اس وجہ سے اس میں نسخ بہت زیادہ ہوا ہے اور ہر نسخہ کی ترتیب علیحدہ ہے۔ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگردوں نے اپنی اپنی استعداد کے لائق ترتیب دے کر رائج کیا ہے اور حدیثوں میں بھی فی الجملہ تھوڑا سا تفاوت ہے۔

ابوزرعہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو محدثین کے راس رئیس ہیں، یہ بیان کیا ہے کہ اگر کوئی شخص اس طرح قسم کھا کر بیان کرے کہ اگر میں جھوٹ بولتا ہوں تو میری زوجہ پر طلاق جو کچھ ”موطا“ میں ہے وہ بلا شک و شبہ صحیح ہے تو وہ اپنی قسم میں حائث نہ ہوگا، یعنی اس کی عورت پر طلاق نہ پڑے گی اور اس قدر وثوق و اعتماد دوسری کتاب پر نہیں ہے۔

حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے ان کے زمانہ میں تقریباً ایک ہزار آدمیوں نے ”موطا“ کو منکر جمع کیا ہے، چنانچہ اس کے نسخے بہت ہیں اور لوگوں کے ہر طبقہ فقہاء، محدثین، صوفیاء، امراء اور خلفاء نے تبرکاً اس عالی مقام امام رحمہ اللہ تعالیٰ سے اس کی سند حاصل کی۔

آج کل ملک عرب میں ان کثیر نسخوں میں سے چند نسخے پائے جاتے ہیں۔ پہلا نسخہ جس کا سب سے زیادہ رواج اور جو سب سے زیادہ مشہور ہے اور طائفہ علماء کا مخدوم بھی یہی نسخہ ہے وہ یحییٰ بن یحییٰ مضمودی اندلسی رحمہ اللہ تعالیٰ کا نسخہ ہے، چنانچہ جب کبھی مطلق یعنی بلا کسی قید کے ”موطا“ کہا جاتا ہے تو فوراً اسی کی طرف ذہن جاتا ہے اور اسی پر منطبق و چسپاں ہوتا ہے۔

ایک مرتبہ جعفر ابن سلیمان سے کسی نے شکایت کر دی کہ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ آپ کی امارت کے مخالف ہیں اس نے آپ کو ستر کوڑے لگانے کا حکم دیا، اس کے بعد آپ کی عزت اور بڑھتی گئی، گویا یہ کوڑے آپ کا زیور بن گئے۔ منصور جب مدینہ آیا تو اس نے انتقام لینے کا ارادہ کیا۔ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے قسم کھا کر

فرمایا میں تو اس کا ایک ایک کوڑا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت کی خاطر معاف کر چکا ہوں۔ مؤرخین کہتے ہیں کہ یہ سزا آپ کو اس جرم میں دی گئی تھی کہ آپ نے کوئی فتویٰ ان کی غرض کے موافق نہیں دیا تھا۔

ائمہ اربعہ میں صرف آپ ایک ہیں جن کی تصنیف فن حدیث کے متعلق امت کے ہاتھ میں موجود ہے، بقیہ جو تصانیف دوسرے ائمہ کی طرف منسوب ہے وہ ان کے شاگردوں کی جمع کردہ ہیں، حتیٰ کہ ”مسند احمد“ بھی، گو اس کی تسوید خود امام موصوف نے کی ہے مگر اس کی موجودہ ترتیب خود امام رحمہ اللہ تعالیٰ کی نہیں ہے۔

تعبنی رحمہ اللہ تعالیٰ نقل کرتے ہیں کہ میں مرض الوفا میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، سلام کر کے بیٹھ گیا، دیکھا تو امام رو رہے تھے۔ میں نے سبب دریافت کیا؟ تو فرمایا کیسے نہ روؤں! مجھ سے زیادہ رونے کا اور کون مستحق ہو سکتا ہے۔ میری آرزو ہے کہ جو مسئلہ بھی میں نے اپنی رائے سے بتایا ہے ہر مسئلہ کے بدلہ میرے ایک کوڑا مارا جائے۔ کاش میں نے اپنی رائے سے ایک مسئلہ بھی نہ بتایا ہوتا۔ مجھے گنجائش تھی کہ اس کے جو جوابات مجھ سے پہلے دیئے جا چکے تھے ان ہی پر سکوت کر لیتا۔

ماہ ربیع الاول ۹۷ھ میں آپ کا انتقال ہوا اور جس تمنا میں عمر گزری تھی آخر وہ آرزو پوری ہوئی، یعنی دیار حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی خاک پاک نے ہمیشہ کے لئے آپ کو اپنی آغوش میں لے لیا۔ آپ سرزمینِ مدینہ ہی میں آسودہ خواب ہیں۔

نسخ موطا

قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کے مطابق ”موطا“ کے مشہور نسخے ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ تیس ہیں۔ شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”بُستَانُ الْمُحَدِّثِينَ“ میں لکھا ہے کہ آج کل عرب میں ”موطا“ کے سولہ نسخے

پائے جاتے ہیں اور ہر نسخہ ایک خاص راوی سے مروی ہے۔ ابو القاسم بن محمد بن حسین شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا بیان ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے گیارہ ”موطائیں“ مروی ہیں اور سب کی سب قریب المعنیٰ ہیں، البتہ ان میں چار مروج تھیں۔ پہلا نسخہ یحییٰ بن یحییٰ رحمہ اللہ تعالیٰ کا، دوسرا ابن کبیر رحمہ اللہ تعالیٰ کا، تیسرا ابو مصعب رحمہ اللہ تعالیٰ کا، اور چوتھا ابن وہب رحمہ اللہ تعالیٰ کا، پھر بعد میں ابو مصعب رحمہ اللہ تعالیٰ اور ابن وہب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نسخوں کا رواج کم ہو گیا، ان نسخوں میں احادیث کی کمی زیادتی ہے اور تقدیم و تاخیر بھی ہے۔ سب سے زیادہ احادیث نسخہ ابو مصعب میں ہیں۔ ابن حزم رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ اس ”موطا“ میں دیگر ”موطائوں“ سے سینکڑوں احادیث زائد ہیں۔^۱

تذکرہ یحییٰ بن یحییٰ مصمودی اندلسی رحمہ اللہ تعالیٰ

ابو محمد یحییٰ بن یحییٰ بن کثیر بن وسلاس بن شملک بن منقایا۔ ان کی نسبت مصمودی ہے اور صاوی بھی کہتے ہیں، یعنی نسبت بسوئے صاد جو مصمودہ بربر کا ایک قبیلہ ہے۔ ان کے اجداد میں سے منقایا پہلے شخص ہیں جو یزید بن عامر لیشی کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے اور اسی وجہ سے ان کی نسبت ولاء اسلامی کے سبب لیشی ہے۔ منقایا کی اولاد میں پہلا شخص جس نے اندلس آ کر سکونت اختیار کی تھی کثیر ہے۔ بعض کہتے ہیں یحییٰ بن وسلاس ہے، جو طارق کے لشکر میں آیا تھا اور وسلاس بھی یزید بن عامر کے ہاتھ پر ایمان لایا تھا۔

یہ بھی جاننا چاہئے کہ یحییٰ بن یحییٰ رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے ”کتاب الاعتکاف“ کے آخر کے چند ابواب کی سماعت نہیں فرمائی اور وہ ابواب یہ ہیں: بَابُ خُرُوجِ الْمُعْتَكِفِ لِلْعِيدِ، بَابُ فَضَاءِ الْإِعْتِكَافِ، بَابُ

^۱ ”بستان المحدثین“ از ص ۱۱ تا ۲۲۔

النِّكَاحِ فِي الْإِعْتِكَافِ، چونکہ ان تینوں بابوں کی سماعت میں ان کو کچھ شبہ ہے، اس لئے ان کو زیاد بن عبدالرحمن سے روایت کرتے ہیں۔

یحییٰ بن یحییٰ رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے استفادہ کرنے سے قبل اپنے شہر قرطبہ میں زیاد بن عبدالرحمن رحمہ اللہ تعالیٰ سے پوری ”موطا“ کی سند حاصل کی تھی، اس کے بعد ان کو طلب علم کا شوق دامگیر ہوا، چنانچہ بیس برس کی عمر میں مشرق کی طرف سفر اختیار کیا اور امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”موطا“ کو سنا۔ ۹۷ھ میں جو امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی وفات کا سال ہے، ان کی ملاقات امام رحمہ اللہ تعالیٰ سے ہوئی۔ امام رحمہ اللہ تعالیٰ کی وفات کے وقت یہ وہاں موجود تھے۔ امام رحمہ اللہ تعالیٰ کی تجہیز و تکفین کی خدمت ان کو نصیب ہوئی۔ اندلس میں ہر شخص ان کو عزت کی نظر سے دیکھتا تھا۔ کمال علمی کا مشار الیہ انہی کو خیال کیا جاتا تھا۔ استفادہ کا انحصار ان پر سمجھا جاتا تھا۔ ان سے پہلے اس دیار کے لوگ عیسیٰ بن دینار رحمہ اللہ تعالیٰ سے فتویٰ دریافت کرتے تھے، یہ بھی امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے بڑے شاگردوں میں تھے۔ انہی دو شخصوں کے سبب امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب اندلس میں پھیل گیا۔ یہ کہا جاتا ہے کہ یحییٰ رحمہ اللہ تعالیٰ کو عیسیٰ بن دینار رحمہ اللہ تعالیٰ پر عقل و دانش میں برتری حاصل تھی، چنانچہ ابن الباہ نے یہ شعر کہا ہے۔

فَقِيهُ الْأَنْدَلُسِ عَيْسَى بْنُ دِينَارٍ وَعَالِمُهَا ابْنُ حَبِيبٍ وَعَاقِلُهَا يَحْيَىٰ
تَرْجَمًا: ”یعنی اندلس کے فقیہ عیسیٰ بن دینار رحمہ اللہ تعالیٰ تھے، اور عالم ابن حبیب اور عاقل یحییٰ تھے۔“

حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی ان کو عاقل کے خطاب سے سرفراز فرمایا تھا، چنانچہ منقول ہے کہ ایک دن یحییٰ بن یحییٰ رحمہ اللہ تعالیٰ امام رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہو کر فیوضات کا استفادہ فرما رہے تھے، ان کے علاوہ اور اشخاص بھی امام رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں فیض یاب ہو رہے تھے کہ دفعۃً ہاتھی

کے آنے کا شور مچا ہوا، چونکہ ملک عرب میں ہاتھی کو نہایت تعجب کے ساتھ دیکھا جاتا تھا اور اسی وجہ سے بعض عرب کے رہنے والے ہاتھی کے دیکھنے کو فخریہ بیان کر کے مبارک بادی کے خواستگار ہوتے ہیں، جیسا کہ ابوالشتمق کے ان دو شعروں سے ظاہر ہوتا ہے۔

بِأَقْوَمِ إِنِّي رَأَيْتُ الْفَيْلَ بَعْدَكُمْ فَبَارَكَ اللَّهُ فِي رُؤْيَةِ الْفَيْلِ
رَأَيْتُهُ وَكَهْ شَيْءٌ يُحَرِّكُهُ فَكِدْتُ أَضَعُ شَيْئًا فِي السَّرَاوِيلِ

اسی واسطے حاضرین کی جماعت کے اکثر افراد امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی صحبت کو ترک کر کے ہاتھی کا تماشا دیکھنے کو دوڑ پڑے، مگر یحییٰ بن یحییٰ رحمہ اللہ تعالیٰ اسی ہیئت و حالت کے ساتھ بیٹھے ہوئے فیض حاصل کرنے میں مشغول رہے اور نہ کسی قسم کا اضطراب پیش آیا نہ کوئی حرکت بے ساختہ ان سے ظاہر ہوئی۔ امام رحمہ اللہ تعالیٰ اسی وقت سے عاقل کے خطاب سے ان کو مخاطب فرماتے تھے۔

ابن بشکوال نے بیان کیا ہے کہ یحییٰ بن یحییٰ رحمہ اللہ تعالیٰ مستجاب الدعوات تھے اور وضع، لباس اور ہیئت ظاہری اور نشست و برخاست میں بھی حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا اتباع فرماتے تھے۔ جو کچھ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے سنا تھا اس کے مطابق فتویٰ دیتے تھے اور ہرگز امام رحمہ اللہ تعالیٰ کے خلاف کو پسند نہیں فرماتے تھے، حالانکہ اس وقت لوگوں میں ایک مذہب کی تقلید راسخ نہیں ہوئی تھی نہ عوام میں نہ خواص میں۔

یحییٰ بن یحییٰ نے ہر مسئلہ میں امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب و اتباع کو اختیار کیا ہے، مگر چار مسئلوں میں لیث بن سعد مصری رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب کو اختیار فرمایا ہے:

اول یہ کہ: صبح کی نماز اور نیز دیگر نمازوں میں قنوت پڑھنے کو جائز نہیں رکھتے تھے۔ دوسرے یہ کہ: صرف ایک گواہ اور مدعی کی قسم پر فیصلہ کو روا نہیں رکھتے تھے۔

تیسرے یہ کہ: نزاع زوجین کی صورت میں حکم مقرر کرنے کو واجب نہیں سمجھتے تھے۔

چوتھے یہ کہ: کاشت کی زمین کا کرایہ اس کے محصول سے لینا جائز جانتے تھے۔

اس ملک کے لوگ حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کمال عقیدت رکھنے کی وجہ سے اس قلیل مخالفت میں بھی ان کی گرفت کرتے تھے، اور ان مسائل میں ان کے پیرو نہ تھے۔

بیچا رحمہ اللہ تعالیٰ کی وفات ماہ رجب المرجب ۲۳۴ھ میں ہوئی۔ ان کی عمر بیاسی برس کی تھی۔ قرطبہ میں ان کی قبر ہے۔ خشک سالی میں ان کے طفیل سے لوگ بارش اور برکت طلب کرتے تھے^۱۔

زیاد بن عبد الرحمن رحمہ اللہ تعالیٰ

آپ کی کنیت ابو عبد اللہ ہے اور نسب یہ ہے زیاد بن عبد الرحمن بن زیاد نخعی اور ہطون ان کا لقب ہے جس کے ساتھ وہ مشہور ہیں اور حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو صحابی ہیں اور بدر کی لڑائی میں شریک ہوئے ہیں ان کی اولاد میں سے ہیں۔ زیاد بن عبد الرحمن پہلے شخص ہیں جو امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے مسلک کو اندلس میں لائے اور استفادہ کی غرض سے دو مرتبہ سفر کر کے امام رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

زُہد و تقویٰ میں اپنے زمانہ کے ممتاز اور مستثنیٰ لوگوں میں شمار ہوتے ہیں۔ جب امیر ہشام نے جو قرطبہ کا رئیس تھا زیاد بن عبد الرحمن رحمہ اللہ تعالیٰ کو قرطبہ کے عہدہ قضا سے سرفراز کرنا چاہا اور اس عہدہ کے قبول کرنے پر انہیں مجبور کیا تو وہ تنگ ہو کر قرطبہ چھوڑ کر چلے گئے، اس وقت ہشام یہ کہتا تھا کہ کاش تمام لوگ اگر زیاد جیسے

^۱ "بستان المحدثین" اردو، ص ۲۴۔

ہوتے تو عالم کے دل میں دنیا کی رغبت نہ رہتی۔ اس کے بعد ہشام نے ان کو امن دے کر یہ تسلی نامہ لکھا کہ میں پھر آپ کو اس امر کی تکلیف نہ دوں گا۔ زیاد رحمہ اللہ تعالیٰ اس تسلی نامہ کو معلوم کر کے پھر اپنے مکان پر واپس آ گئے اور علم حدیث کے افادہ میں مشغول ہوئے۔

منقول ہے کہ اس ملک کے کسی بادشاہ نے زیاد رحمہ اللہ تعالیٰ کو خط لکھا، جب زیاد نے اس کا جواب لکھ کر سر بھر کر کے روانہ کیا تو حاضرین خدمت نے عرض کیا کہ اس بادشاہ نے آپ کو کیا لکھا اور آپ نے اس کا کیا جواب دیا؟ فرمایا: اس بادشاہ نے خط میں یہ سوال کیا تھا کہ قیامت کے دن میزان عدل کے دونوں پلے کس چیز کے ہوں گے چاندی کے یا سونے کے؟ میں نے جواب میں یہ حدیث لکھ دی:

”مَالِكُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ“

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کی وفات کا جو سال ہے وہی زیاد بن عبد الرحمن کی وفات کا ہے اور یہ ۲۰۴ھ ہے۔^۱

مَوَطَا کی وجہ تسمیہ

ابو حاتم رازی رحمہ اللہ تعالیٰ سے پوچھا گیا کہ ”مَوَطَا مالک“ کا نام ”مَوَطَا“ کیوں رکھا گیا؟ تو انہوں نے فرمایا (امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے) ”شَيْءٌ صَنَعَهُ وَوَطَأَهُ لِلنَّاسِ“ ایک چیز تیار کر کے لوگوں کے لئے ہموار کر دی اس لئے اس کا نام ”مَوَطَا مالک“ ہو گیا۔

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے کہ میں نے اپنی یہ کتاب فقہاء مدینہ

^۱ "بستان المحدثین" اردو، ص ۲۹۔

میں سے ستر فقہاء کے سامنے پیش کی ان میں سے ہر ایک نے اس میں میری موافقت کی "فَكَلَّمَهُمْ وَأَطَانِي عَلَيْهِ" اس لئے میں نے اس کا نام "مَوْطَا" رکھا۔

ابن فہر رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ یہ نام پہلے پہل امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ ہی نے ایجاد فرمایا اس لئے کہ آپ کے زمانہ میں جنہوں نے تصنیف فرمائی کسی نے "الجامع" نام رکھا، کسی نے "المؤلف" کسی نے "المصنف"۔

وَطَاً يَطَاً (روندا) وَطَاً (تفعلیل) تیار کرنا، آسان کرنا، ہموار کرنا، وَاطَاً يُوَاطَاً (موافقت کرنا) ۱۷

مَوْطَا کے ایک مبہم راوی کی تعیین

قَالَ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ: قَالَ مَالِكُ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى عَنِ الثَّقَفَةِ عَنْ بُكَيْرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ الْأَشْبَحِ، فَالثَّقَفَةُ مَخْرَمَةٌ بِنُ بُكَيْرٍ، وَقَالَ النَّسَائِيُّ: الَّذِي يَقُولُ مَالِكٌ فِي كِتَابِهِ الثَّقَفَةُ عَنْ بُكَيْرٍ يُشْبِهُهُ أَنْ يَكُونَ عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ، وَقَالَ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ: إِذَا قَالَ عَنِ الثَّقَفَةِ عَنْ عَمْرٍ وَبْنِ شُعَيْبٍ فَهُوَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ وَهَبٍ، وَقِيلَ الزُّهْرِيُّ، وَقَالَ ابْنُ وَهَبٍ: كُلُّ مَا كَانَ فِي كِتَابِ مَالِكٍ أَخْبَرَنِي مَنْ لَا أَتَهُمَ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ فَهُوَ اللَّيْتُ بْنُ سَعْدٍ، وَقَالَ ابْنُ حَجْرٍ: إِذَا قَالَ عَنِ الثَّقَفَةِ عَنْ عَمْرٍ وَبْنِ شُعَيْبٍ فَقِيلَ هُوَ عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ أَوْ ابْنُ لُهَيْبَةَ، وَعَنِ الثَّقَفَةِ عَنْ بُكَيْرٍ قِيلَ هُوَ مَخْرَمَةٌ بِنُ بُكَيْرٍ، وَعَنِ الثَّقَفَةِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ هُوَ نَافِعٌ ۱۸

۱۷ مقدمہ اوجز، ص ۲۱، الفائدة الثانية في وجه التسمية بالمؤطا.

۱۸ مقدمہ اوجز مصری ص ۳۵

بیت (علم رت)

تذکرہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ ۱۹

آپ کی کنیت ابو عبد اللہ، اسم مبارک محمد بن ادریس بن العباس بن عثمان بن شافع ہے۔ آپ نسباً قریشی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جد اعلیٰ عبد مناف میں آپ کا نسب مل جاتا ہے۔

بیت المقدس سے دو مرحلہ کے فاصلہ پر غزہ یا عسقلان میں ۱۵۰ھ میں آپ کی ولادت ہوئی۔ دو سال کی عمر میں آپ کے والدین آپ کو مکہ لے آئے تھے۔ نہایت تنگدستی میں آپ کی پرورش ہوئی، یہاں تک کہ علمی یادداشتوں کے لکھنے کے لئے جب آپ کو کاغذ بھی میسر نہ آیا تو جانوروں کی ہڈیوں پر لکھ لیتے۔

آپ کی عمر کا ابتدائی حصہ شعر، تاریخ، ادب وغیرہ کی تحصیل میں گزرا۔ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں منیٰ میں تھا کہ پشت کی جانب سے مجھے ایک آواز آئی "عَلَيْكَ بِالْفِقْهِ" (فقہ سیکھ) اسباب ظاہر میں ایک واقعہ یہ بھی پیش آیا کہ مسلم بن خالد زنجی رحمہ اللہ تعالیٰ سے آپ کی ملاقات ہوئی، انہوں نے فرمایا کہ:

صاحبزادہ کس ملک کے باشندہ ہو؟

میں نے کہا مکہ مکرمہ کا،

فرمایا: مکان کس محلہ میں ہے؟

میں نے کہا خیف میں،

۱۹ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ترجمہ کے لئے دیکھیے! "سیر اعلام النبلاء" ۵/۱۰. "تہذیب

النووی" ۴۰/۱. "ابن خلکان" ۱۶۳/۴ و ۱۶۹. "تذکرہ الحفاظ" ۳۶۱/۱. "حلیۃ

الاولیاء" ۶۳/۹ و ۱۶۱. "الانساب السمعانی" ۲۰۱/۷. "الکامل فی التاریخ" ۳۰۹/۶.

"تہذیب الاکمال" ۳۰۰/۲۴. "التقريب" ۱۴۳/۲. "تاریخ البخاری الكبير" ۷۳/۱.

پھر پوچھا کس قبیلہ کے ہو:

میں نے کہا عبد مناف کی اولاد،

فرمایا: بہت خوب اللہ تعالیٰ نے تمہیں دونوں جہاں کا شرف بخشا ہے، اچھا یہ تھا کہ اپنی اس فہم و ذکاوت کو علم فقہ میں خرچ کرتے۔ یہ سن کر آپ نے ان کی شاگردی قبول کی، ان کے بعد پھر امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس وقت آپ ”موطا“ حفظ کر چکے تھے اور آپ کی عمر کل ۱۳ سال کی تھی ”موطا“ میں شریک ہو گئے، جب قرأت کا وقت آیا تو آپ نے بر زبان قرأت شروع کی، اس پر امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کو تعجب ہوا اور آپ کی قرأت کو بہت پسند فرمایا، جب یہ ختم کرنے کا ارادہ کرنے لگے تو فرمایا: اور پڑھو! اور پڑھو! امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں فرمایا تھا کہ:

”تم تقویٰ اپنا شعار رکھنا، ایک زمانہ آئے گا کہ تم بڑے شخص ہو گے۔“

ایک روایت میں یہ ہے کہ آپ نے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ نے تمہارے دل میں ایک نور ودیعت رکھا ہے، معصیت

کر کے اسے ضائع نہ کرنا۔“

اس کے بعد آپ عراق تشریف لے گئے۔ پندرہ سال کی عمر میں آپ کے شیخ مسلم بن خالد رحمہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فتویٰ نویسی کی اجازت دیدی تھی۔

حدیث و تفسیر، فقہ و ادب و عربیت کی جملہ خصوصیات کے ساتھ آپ بڑے تیر انداز بھی تھے، دس میں ایک تیر بھی خطا نہ ہوتا تھا۔ نووی رحمہ اللہ تعالیٰ ”مقدمہ شرح مہذب“ میں تحریر فرماتے ہیں کہ: امام عبدالرحمن بن مہدی رحمہ اللہ تعالیٰ کے فرمانے پر امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اصول فقہ میں ”الرسالہ“ تصنیف فرمایا تھا۔ (اسی وجہ سے آپ کو اصول فقہ کا مؤسس کہتے ہیں)

فقہ میں آپ کا طریقہ یہ تھا کہ آپ صحیح احادیث کو لیتے اور ضعیف کو ترک

کر دیتے تھے، کسی اور مذہب میں فقہ کی تعمیر اس معیار پر نہیں کی گئی۔ عبادات کے مسائل میں آپ احتیاط کا پہلو اختیار فرماتے تھے۔ آپ کی تصنیف ”کِتَابُ الْأُمَرِ“ اور ”الْوَسَالَةُ“ دونوں طبع ہو کر آج امت کے ہاتھوں میں موجود ہیں۔

ان تمام فضائل کے باوجود نکتہ چینی سے آپ بھی خالی نہ رہے، حتیٰ کہ یحییٰ بن معین رحمہ اللہ تعالیٰ جیسے شخص سے آپ کے متعلق ایسے کلمات منقول ہیں جن کو دیکھ کر امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کو یہ کہنا پڑا:

”وَمِنْ أَيْنَ يَعْرِفُ يَحْيَى الشَّافِعِيُّ وَمَنْ جَهَلَ شَيْنًا عَادَاهُ“

بھلا یحییٰ بن معین امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کو کیا جانیں اور جو شخص کسی کو جانتا نہیں وہ اس سے مخفا ہی رہتا ہے۔

حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں یحییٰ بن معین رحمہ اللہ تعالیٰ سے متعدد طریقوں سے ثابت ہے کہ وہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ میں کلام کرتے تھے، یہاں تک کہ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سے روکا اور فرمایا کہ تمہاری ان دو آنکھوں نے بھی اس جیسا شخص نہ دیکھا ہوگا۔

تمام علم و فضل کے ساتھ ہی اس درجہ کے تھے کہ جمیدی ایک واقعہ ذکر کرتے ہیں کہ آپ صنعاء سے تشریف لائے تھے اس وقت آپ کے پاس دس ہزار دینار تھے، آپ کا خیمہ مکہ مکرمہ سے باہر لگا ہوا تھا، لوگ ملاقات کے لئے آتے تھے اور آپ ان کو دینار تقسیم کرتے، یہاں تک کہ بیٹھے بیٹھے آپ نے وہ تمام رقم لوگوں پر تقسیم کر ڈالی۔

وہ احادیث مرفوعہ جن کو خود امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے شاگردوں کے روبرو سند سے بیان فرمایا کرتے تھے اور روایت کیا کرتے تھے اور ان حدیثوں میں سے جو حدیثیں ابوالعباس محمد بن یعقوب الاصبغ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ربیع بن سلیمان مرادی رحمہ اللہ تعالیٰ سے سن کر ”کتاب الامر“ اور ”مبسوط“ کے ضمن میں جمع کی تھیں ان کو

الگ جمع کر کے ”مسند شافعی“ نام رکھ دیا گیا۔

ابن خلکان، ربیع بن سلیمان مرادی سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے وفات کے بعد امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا ان سے پوچھا اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مجھے ایک سنہری کرسی پر بٹھا کر میرے اوپر تازہ بتازہ موتیوں کی بکھیر کی۔

۱۹۵ھ میں بغداد گئے تھے، دو سال وہاں قیام فرمایا، پھر مکہ مکرمہ آئے، ۱۹۸ھ میں پھر بغداد شریف تشریف لے گئے، چند ماہ قیام فرما کر ۱۹۹ھ میں مصر آئے، پھر وفات ۲۰۴ھ تک یہیں رہے۔ جمعہ کے دن انتقال ہوا اور بعد عصر مدفون ہوئے۔ قبر مبارک قراقرظ صغریٰ میں مخلوق خدا کے لئے زیارت گاہ بنی ہوئی ہے۔



تذکرہ امام احمد بن حنبل الشیبانی رحمہ اللہ تعالیٰ

ابن خلکان لکھتے ہیں کہ آپ کی پیدائش ۱۶۴ھ میں بغداد میں ہوئی اور وہیں ۲۴۱ھ میں آپ کی وفات بھی ہوئی۔ آپ کا مزار مبارک باب حرب میں واقع ہے، یہ جگہ حرب بن عبد اللہ کی طرف منسوب ہے۔

عباس بن محمد دوری کہتے ہیں کہ آپ عرب کے مشہور خاندان بنی ذہل بن شیبان بن ثعلبہ سے متعلق تھے۔ خطیب بغدادی کہتے ہیں یہ عباس دوری کی غلطی ہے، آپ کا خاندان بنی شیبان بن ذہل بن ثعلبہ تھا۔ یہ ذہل بن ثعلبہ رشتہ میں شیبان کا چچا ہے۔

آپ کے دو بیٹے تھے: صالح اور عبد اللہ، اسی دوسرے بیٹے کے نام پر ابو عبد اللہ آپ کی کنیت تھی۔ آپ نہایت خوبصورت تھے، قد میانہ تھا، ہلکا سرخ خضاب لگاتے تھے، ریش مبارک میں کچھ بال سیاہ تھے، سفید رنگ کے موٹے کپڑے پہنتے تھے، آپ کا عام لباس ازار اور عمامہ تھا۔

اپنے زمانہ کے متفق علیہ امام تھے۔ قتیبہ رحمہ اللہ تعالیٰ آپ کو اور اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ تعالیٰ کو امام الدنیا کہا کرتا تھے۔ اسحاق بن ابراہیم رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ: امام احمد اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان اس کی حجت ہیں۔ علی بن مدینی رحمہ اللہ تعالیٰ فرمایا کرتے تھے: اللہ تعالیٰ نے اس دین کو دو شخصوں کے ذریعہ عزت

۱۔ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے ترجمہ کے لئے دیکھیں! ”تاریخ بغداد“ ۴/۴۱۲۔ ”حلیۃ الاولیاء“ ۱۶۱/۹ و ۲۳۳۔ ”تہذیب الاسماء واللغات“ ۱۱۰/۱ و ۱۱۲۔ ”وفیات الاعیان“ ۱/۶۳ و ۵۶۔ ”تہذیب الکمال“ ۱/۴۳۷۔ ”تذکرۃ الحفاظ“ ۲/۴۳۱۔ ”طبقات الشافعیۃ الکبریٰ“ ۲/۲۷ و ۳۷۔ ”البدایۃ والنہایۃ“ ۱۰/۳۲۵ و ۳۴۳۔ ”سیر اعلام النبلاء“ ۱/۱۷۷۔

نصیب فرمائی ہے تیسرا مجھے کوئی اور شخص معلوم نہیں ہے: پہلے ظہور ارتداد کے وقت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اور دوسرے فتنہ خلقِ قرآن کے زمانہ میں امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ تھے۔ اسماعیل خلیل رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے کہ: اگر امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل میں پیدا ہوتے تو اللہ تعالیٰ کے معجزوں میں ایک معجزہ شمار ہوتے۔

خطیب بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں کہ: طلب علم کے لئے امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے کوفہ، بصرہ، حرین شریفین، یمن اور شام وغیرہ کا سفر کیا ہے۔ شیخ تاج الدین سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام شافعی، امام ابو یوسف، وکیع ابن الجراح، یحییٰ بن ابی زائدہ رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہم کو آپ کے اساتذہ میں اور ائمہ رستہ میں امام بخاری و امام مسلم و امام ابوداؤد رحمہم اللہ تعالیٰ کو تلامذہ کی فہرست میں شمار کیا ہے۔ ابن خلکان لکھتے ہیں کہ: آپ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مخصوص شاگردوں میں سے تھے، جب تک امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ بغداد میں رہے آپ ان کی خدمت سے کبھی جدا نہیں ہوئے، جب امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ بغداد چھوڑ کر مصر جانے لگے تو چلتے وقت فرمایا میں نے بغداد میں ان جیسا متقی اور فقیہ کوئی اور نہیں چھوڑا۔

ربیع بن سلیمان رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ مصر تشریف لے گئے تو مجھ سے فرمایا میرا ایک خط امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کو پہنچا دو اور اس کا جواب مجھے لا دو! میں خط لے کر بغداد پہنچا، صبح کی نماز میں امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہوئی، جب محراب سے اٹھے تو میں نے خط پیش کیا اور عرض کیا کہ یہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا خط ہے، امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے دریافت فرمایا تم نے اس کو دیکھا؟ میں نے عرض کیا نہیں، اس کے بعد آپ نے مہر توڑی اور پڑھا، تو آپ کی آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا گئیں، میں نے پوچھا اے ابو عبد اللہ خیر تو ہے فرمائیے کیا لکھا ہے؟ فرمایا لکھا ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا تھا، فرماتے تھے کہ:

”ابو عبد اللہ کو میرا سلام کہدو اور کہدو اس کا امتحان ہوگا، اور خلقِ قرآن کے قائل ہونے پر اسے مجبور کیا جائے گا، وہ اس کو منظور نہ کریں، اللہ تعالیٰ اس کے صلہ میں تا قیامت ان کا نام اور علم روشن رکھے گا۔“

ربیع کہتے ہیں کہ میں نے کہا اے ابو عبد اللہ بشارت مبارک ہو، فوراً امام احمد نے اپنی قمیصوں میں سے نیچے والی قمیص جو جسم سے متصل تھی اتار کر مجھے انعام میں دیدی، میں اس کا جواب لے کر مصر آیا اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں پیش کر دیا، امام شافعی نے دریافت فرمایا بولو بشارت کے صلہ میں کیا انعام لائے ہو؟ میں نے کہا امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا اتارا ہوا کرتا ہے، فرمایا یہ تکلیف تو میں تجھے نہیں دے سکتا کہ وہ قمیص ہی مجھے دیدے، البتہ یہ ضرور کہوں گا کہ اسے پانی میں بھگو کر نچوڑ اور وہ پانی مجھے دیدے تاکہ میں اسی کو تبرک رکھوں۔

اس واقعہ سے امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی منقبت کے علاوہ یہ بھی اندازہ ہو سکتا ہے کہ پہلے محدثین و علماء کے درمیان کیسے تعلقات ہوئے ہیں، ان کا جو اختلاف تھا وہ صرف اللہ کے نام پر تھا۔ اس امتحان کی تفصیلی روایت شیخ تاج الدین سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”طبقات شافعیہ“ میں بیان کی ہے۔

قتیبہ بن سعید امام احمد اور وکیع رحمہما اللہ تعالیٰ کے درمیان کے ایک مذاکرہ کا حال نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ دروازہ کی چوکھٹ پکڑ کر کھڑے ہوئے اور سلمہ سے سفیان کی جو روایات ہیں ان کا تذکرہ ہونے لگا، دونوں آپس میں ایسے محو ہوئے کہ تمام رات یونہی کھڑے کھڑے کٹ گئی اور کسی کو خبر نہ ہوئی، جب صبح ہونے لگی تو آپ کی باندی حاضر ہوئی اور کہا کہ زہرہ ستارہ نکل چکا ہے۔

آپ کی مشہور تصنیفات میں ”مسند احمد“ سب سے زیادہ قابل ذکر ہے۔ حنبل بن اسحاق رحمہ اللہ تعالیٰ آپ کے بھتیجے کہتے ہیں کہ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے

کہا کہ یہ کتاب میں نے سات لاکھ سے زیادہ احادیث کے ذخیرہ سے منتخب کی ہے تاکہ مسلمانوں کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا ایک معیار بن جائے جو حدیث اس میں مل جائے اسے حجت سمجھا جائے اور جو نہ ملے اسے حجت سمجھا نہ جائے۔

ابوزرعہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کو دس لاکھ حدیثیں زبانی یاد تھیں۔ آپ کی وفات کے بعد جب آپ کی کتابوں کا تخمینہ کیا گیا تو دس اونٹوں کے بوجھ سے زیادہ تھا اور وہ سب آپ کو زبانی حفظ تھیں۔

جمعہ کے دن آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کے جنازہ میں نمازیوں کا اتنا ہجوم تھا کہ متوکل بادشاہ کے حکم سے جب نمازیوں کے قیام کی جگہ ناپی گئی تو پینائش کے حساب سے دو لاکھ پچاس ہزار آدمیوں کے کھڑے ہونے کی جگہ تھی۔

ورکانی امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا پڑوسی بیان کرتا ہے کہ: آپ کی وفات کے دن بیس ہزار یہود و نصاریٰ اور مجوس مسلمان ہوئے تھے، لیکن ذہبی نے اس حکایت کو تسلیم نہیں کیا اور منکر کہا ہے۔

احمد بن محمد کندی کہتے ہیں کہ: میں نے امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا پوچھا اے ابو عبد اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ فرمایا: بخش دیا اور مجھے کہا اے احمد! ہمارے ہی لئے تم نے کوڑے کھائے تھے، میں نے عرض کیا اے پروردگار! جی ہاں، ارشاد ہوا تو اے احمد میرا دیدار کر لے۔

اللہ تعالیٰ کے جن بندوں نے بھی اس کی راہ میں مصیبتیں جھیلی ہیں، ان کے نامہ اعمال میں وہی ان کا سب سے زیادہ وزنی عمل ثابت ہوئی ہیں۔

تذکرہ امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ

آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے: ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ بن موسیٰ بن ضحاک السلمی البوغی (بوغ ایک گاؤں کا نام ہے جو ترمذ کے دیہات میں سے ہے اور اس سے چھ فرسخ کے فاصلہ پر واقع ہے) ترمذی۔ ترمذ اس پرانے شہر کا نام ہے جو دریائے آمو (جس کو جیحون اور نہر بلخ بھی کہتے ہیں) کے کنارے پر واقع ہے۔ لفظ ماوراء النہر میں بھی بیشتر یہی نہر مراد لی گئی ہے۔ ترمذ تاء کے کسرہ اور میم کے کسرہ کے ساتھ زیادہ مشہور ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے سب سے مشہور شاگردوں میں شمار ہوتے ہیں۔ خود امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ سے ان کے حق میں بہت سے کلمات تعریف منقول ہیں۔ محدثین ان کو امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کا خلیفہ کہتے ہیں۔ ان کے افتخار کے لئے یہ کافی ہے کہ خود امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی ان سے روایت کی ہے۔ امام مسلم، امام ابوداؤد رحمہم اللہ تعالیٰ اور ان کے شیوخ سے بھی روایت کرتے ہیں۔

کوفہ، بصرہ، ری، خراسان اور حجاز میں طلب حدیث کے لئے سالہا سال سفر کرتے رہے۔ ان کا واقعہ مشہور ہے کہ ایک شیخ کی روایت کے دو جز انہوں نے نقل کئے تھے، مگر اب تک ان کو پڑھ کر سنانے کا موقع نہ ملا تھا، مکہ مکرمہ کے راستے میں

۱۔ امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ترجمہ کے لئے دیکھیے! ”تہذیب الکمال فی اسماء الرجال“ ۳۵۱/۲۶۔ ”سیر اعلام النبلاء“ ۲۷۰/۱۳۔ ”الکامل فی التاریخ“ ۴۶۰/۷۔ ”وفیات الاعیان“ ۲۷۸/۴۔ ”میزان الاعتدال“: ۳، الترجمہ: ۸۰۳۵۔ ”ثقات ابن حبان“ ۱۵۳/۹۔

اتفاقاً ان سے ملاقات ہوگئی، امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے نعمت غیر مترقبہ سمجھ کر ان سے ان اجزاء کے قرآت کی درخواست پیش کی، شیخ نے قبول فرمایا اور کہا ان اجزاء کو نکال لو! میں پڑھتا ہوں تم مقابلہ کرتے جاؤ! امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تلاش کیا تو اتفاقاً وہ اجزاء ان کے ساتھ نہ تھے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ بہت گھبرائے، لیکن اس وقت ان کی سمجھ میں سوائے اس کے اور کچھ نہ آیا کہ دو اجزاء کے سادہ کاغذ ہاتھ میں لے کر فرضی طور پر سننے میں مشغول ہو جائیں۔ شیخ نے قرآت شروع کی اتفاقاً ان کی نظر کاغذات پر پڑ گئی تو سادے نظر آئے، شیخ کو طیش آیا اور فرمایا کیا میرا مذاق بناتے ہو! امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مجبوراً جو واقعہ تھا صاف عرض کر دیا اور کہا اگرچہ وہ اجزاء میرے ساتھ نہیں ہیں، لیکن مجھے لکھے ہوئے سے زیادہ محفوظ ہیں۔ شیخ نے فرمایا اچھا ذرا پڑھ کر سناؤ! امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے وہ تمام حدیثیں پڑھ کر سنا دیں۔ شیخ بہت متعجب ہوئے، فرمایا یقیناً نہیں آتا کہ صرف میرے ایک بار پڑھنے سے یہ سب حدیثیں تم کو محفوظ ہوگئی ہوں گی؟ امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے عرض کیا اچھا امتحان کر لیجئے! شیخ نے خاص اپنی چالیس حدیثیں اور پڑھیں، امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فوراً ان کو بھی اس صحت کے ساتھ سنا دیا کہ کہیں ایک جگہ غلطی نہ ہوئی۔ اس واقعہ کے علاوہ ان کے حفظ کے اور بہت واقعات مشہور ہیں۔

”جامع ترمذی“ ان کی بہت مشہور تصنیف ہے۔ مجموعی حدیثی فوائد کے لحاظ سے اس کتاب کو تمام کتابوں پر فوقیت دی گئی ہے۔ عراقیین اور حجازیین دونوں کے مسائل پر الگ الگ باب قائم کرتے ہیں۔ ہر باب کے تحت اگرچہ حدیث کا ذخیرہ تفصیلاً تو پیش نہیں کرتے، لیکن اس باب میں جتنے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی حدیثیں ان کی زیر نظر ہوتی ہیں سب کی طرف صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نام گنوا کر اشارات کر جاتے ہیں۔ رواۃ کی جرح و تعدیل، مشہور اسماء کی کنیتیں اور مشہور کنیتوں کے اسماء، سلف کا تعال، ائمہ کے مسالک پر تقریباً ہر باب میں تنبیہ کرتے چلے جاتے

ہیں۔ اس لحاظ سے اگرچہ یہ کتاب اپنے حجم کے اعتبار سے مختصر ہے، لیکن فوائد کے لحاظ سے بہت بڑی کتاب ہے۔ ”ترمذی“ سے پہلے بھی گو حدیث کی ثلاثی قسم کا پتہ چلتا ہے، مگر حسن و صحیح کو ہر جگہ اتنا روشن کرنے والے یہی پہلے شخص ہیں۔

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اس کتاب میں دو حدیثوں کے علاوہ کوئی ایسی حدیث نہیں ہے جس پر امت میں کسی نہ کسی کا عمل نہ ہو۔

حفظ و اتقان، علم و فہم کے ساتھ بہت خدا ترس بھی تھے۔ اللہ تعالیٰ کا خوف و خشیت ان پر اتنا غالب تھا کہ روتے روتے آخر کار ان کی بینائی جاتی رہتی۔

ان کی کنیت ابو عیسیٰ تھی۔ ”ابو داؤد“ میں اس کنیت کی ممانعت منقول ہے۔ شارحین حدیث نے اس کی مختلف توجیہات نقل کی ہیں۔ شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”بستان المحدثین“ میں عام شارحین کے علاوہ ایک جدید توجیہ کی ہے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کنیت ابو عیسیٰ تھی تو ان سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ کیا تم کو ابو عبد اللہ کی کنیت کافی نظر نہیں آتی؟ انہوں نے جواب دیا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کنیت سے پکارا ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تو تمام اگلی پچھلی لغزشیں اور بھول چوک اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادی تھیں اور ہم تو ایک امر مضطرب میں مبتلا ہیں، پھر انہوں نے مرتے دم تک اپنی کنیت ابو عبد اللہ ہی رکھی۔

”إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَنَّانِي“ کے معنی یہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ابو عیسیٰ کہہ کر بلایا اور پکارا ہے نہ یہ کہ آپ نے یہ فرمایا تھا کہ تیری کنیت ابو عیسیٰ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کلام کے یہ معنی ہیں کہ ابو عیسیٰ کی کنیت مکروہ ہے یہ کنیت نہ رکھنی چاہیے، اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ اس کنیت کے ساتھ پکار لیا تو تمہارے لئے یہ مناسب نہیں کہ

اسے اپنی کنیت قرار دیدو، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی صرف بیان جواز کے لئے ایک امر اولیٰ ترک فرما دیا کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ترک اولیٰ کراہیت سے پاک تھا۔ آپ کو یہ ضرورت بھی محض تبلیغ حکم کی وجہ سے پیش آئی اور ”مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ“ الخ کے معنی بھی یہی ہیں۔



تذکرہ امام ابوداؤد رحمہ اللہ تعالیٰ

آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے: ابوداؤد سلیمان بن الاشعث بن اسحاق بن بشیر بن شداد بن عمران الازدی البجستانی۔ آپ کی ولادت ۲۰۲ھ میں ہوئی۔ بھتان کی تحقیق میں مؤرخ ابن خلکان نے ایک مشہور غلطی کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ یہ بصرہ میں ایک قریہ کا نام ہے۔ شیخ تاج الدین سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کا وہم ہے۔ صحیح یہ ہے کہ سیستان قندھار وچشت کے قریب ایک مقام ہے یہ نسبت اسی کی طرف ہے۔

انہوں نے مصر، وشم، حجاز و عراق اور خراسان وغیرہ بلاد اسلامیہ کا سفر کیا ہے۔ حفظ و اتقان، روایت و عبادت، تقویٰ و صلاح میں یگانہ روزگار تھے۔ حاکم رحمہ اللہ تعالیٰ کہا کرتے تھے کہ: امام ابوداؤد رحمہ اللہ تعالیٰ کسی پس و پیش کے بغیر اپنے زمانہ کے امام تھے۔ موسیٰ بن ابراہیم جو ان کے معاصر تھے فرمایا کرتے تھے کہ: امام ابوداؤد رحمہ اللہ تعالیٰ دنیا میں حدیث کے لئے اور آخرت میں جنت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ ابراہیم بن حربی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مقولہ ہے کہ:

علم حدیث ان کے لئے اس طرح نرم کر دیا گیا تھا جیسا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے لوہا۔ امام ترمذی و امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ جیسے ائمہ حدیث کا ان کے تلامذہ میں شمار ہوتا ہے۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ خود امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ تو ان کے سلمہ امام ابوداؤد رحمہ اللہ تعالیٰ کے ترجمہ کے لئے دیکھئے! ”تاریخ بغداد“ ۵۵/۹۔ ”تہذیب الکمال“ ۳۵۵/۱۱۔ ”ثقات ابن حبان“ ۱۷۲/۱۔ ”انساب السمعانی“ ۴۶/۷۔ ”الکامل فی التاریخ“ ۴۲۵/۷۔ ”وفیات الاعیان“ ۴۰۴/۲۔ ”سیر اعلام النبلاء“ ۲۰۳/۱۳۔ ”تذکرہ الحفاظ“ ۵۹۱/۲۔ ”طبقات السبکی“ ۴۸/۲۔ ”البداية والنهاية“ ۵۴/۱۱۔ ”بستان المحدثین“ اردو، ص ۱۸۰۔

اساتذہ میں ہیں، لیکن امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے بعض استاذوں نے ان سے روایت کی ہے، بلکہ امام احمد رحمہ اللہ نے بھی عتیوۃ کی حدیث ان سے روایت کی ہے۔
 ”سنن ابوداؤد“ ان کی مشہور تصنیف ہے۔ اس میں ۴۸۰۰ حدیثیں حسن و صحیح جمع کی ہیں اور اپنے نزدیک کوئی ایسی حدیث درج نہیں کی جو قابل حجت نہ ہو۔ امام ابوداؤد رحمہ اللہ تعالیٰ نے جب اس کتاب کو امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے بہت پسند فرمایا۔

امام ابوداؤد رحمہ اللہ تعالیٰ نے پانچ لاکھ حدیثوں کے مجموعہ میں سے انتخاب کر کے اس کتاب کو مرتب فرمایا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ ان احادیث میں سے عقلمند کے لئے دین میں صرف چار حدیثیں کفایت کرتی ہیں:

۱..... ”إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ“

ترجمہ: ”اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے۔“

۲..... ”مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرَكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ“

ترجمہ: ”کسی شخص کے اچھا مسلمان ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ

بے فائدہ چیزوں کو چھوڑ دے۔“

۳..... ”لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ

لِنَفْسِهِ“

ترجمہ: ”اس وقت تک مؤمن کامل نہیں ہوتا جب تک کہ وہ اپنے

بھائی کے لئے وہی چیز پسند نہ کرے جس کو وہ خود اپنے لئے پسند کرتا

ہے۔“

۱۔ ابوداؤد، باب فی ما عنی بہ الطلاق والنیات، کتاب الطلاق، رقم الحدیث ۲۲۰۱۔

۲۔ مشکوٰۃ ص ۴۱۳، باب حفظ اللسان والغیبة والقسم۔

۳۔ مشکوٰۃ ص ۴۲۲، باب الشفقة والرحمة علی الخلق۔

۴..... ”الْحَلَالُ بَيْنَ وَالْحَرَامِ بَيْنٌ وَبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ فَمَنْ

اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ“

ترجمہ: ”حلال و حرام دونوں ظاہر ہیں اور ان کے درمیان (کچھ امور)

مشتبہات (ملتے جلتے) ہیں پس جس شخص نے شبہات سے پرہیز کیا اس

نے اپنے دین کو محفوظ کر لیا۔“

شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کے کافی ہونے کے یہ معنی ہیں کہ شریعت کے قواعد کلیہ مشہورہ معلوم کرنے کے بعد جزئیات مسائل میں کسی مجتہد یا مرشد کی ضرورت باقی نہیں رہتی، مثلاً عبادت کی درستگی کے لئے پہلی حدیث اور عمر عزیز کے اوقات کی حفاظت کے لئے دوسری حدیث اور حقوق ہمسایہ و خویش واقارب اور دوسرے اہل تعارف و معاملہ کی رعایت کے لئے تیسری حدیث اور ان شکوک و تردّدات کے ازالہ کے لئے جو اختلاف علماء یا دلائل کے مختلف ہونے سے پیدا ہوتے ہیں چوتھی حدیث کافی ہے، گویا مرد عاقل کے لئے یہ چاروں حدیثیں استاد و پیر کے درجہ میں ہیں۔

امام ابوداؤد رحمہ اللہ تعالیٰ کے فقہی مسلک میں اختلاف ہے۔ ابن خلکان نے

لکھا ہے کہ شیخ ابوالحق شیرازی نے ”طبقات الفقہاء“ میں انہیں حنبلیوں میں شمار

کیا ہے۔ حافظ ذہبی کے بیان سے بھی یہی قیاس ہوتا ہے۔

لباس میں آپ کی ایک خاص عادت تھی، وہ یہ کہ اپنی قمیص کی ایک آستین فراخ

اور دوسری تنگ رکھا کرتے تھے، جب آپ سے سبب دریافت کیا گیا تو فرمایا ایک

آستین تو اس لئے کشادہ رکھتا ہوں کہ اس میں اپنی کتاب کے کچھ اجزاء رکھ لوں،

دوسری آستین کشادہ رکھنا اسراف میں داخل سمجھتا ہوں۔

۱۶/شوال ۲۷۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا اور بصرہ میں دفن ہوئے، تہتر سال کی

۱۔ ابوداؤد، باب فی اجتناب الشبہات، کتاب البیوع، رقم الحدیث ۳۲۲۹۔

آپ کا عجیب واقعہ

امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ ایک مرتبہ بڑی کشتی پر سوار کسی جگہ تشریف لے جا رہے تھے، اچانک ساحل پر کھڑے کسی شخص کو چھینک آئی، اس نے ”الْحَمْدُ لِلَّهِ“ کہا، امام ابوداؤد رحمہ اللہ تعالیٰ نے کشتی میں سواری کی حالت میں تحمید سنی، آپ نے کشتی بان سے کہہ کر ایک چھوٹی کشتی جو بڑی کشتی کے ساتھ تھی ایک درہم میں کرایہ پر لی اور کنارے پر تشریف لے گئے اور اس کی تحمید کا جواب دیا، جب بڑی کشتی میں داخل ہوئے تو لوگوں نے اس عمل کی وجہ معلوم کی تو فرمایا میں اس خیال سے گیا تھا ممکن ہے کہ وہ مستجاب الدعوات ہو اور جب میں اس کو ”يُرَحِّمُكَ اللَّهُ“ کہوں تو وہ جواب میں ہدایت کی دعا دے اور وہ دعا قبول ہو جاوے، اسی آرزو میں یہ زحمت اٹھائی، جب سفر آگے کو ہوا اور تمام کشتی والے سو گئے تو ایک غیبی آواز سنائی دی:

”يَا أَهْلَ السَّفِينَةِ إِنَّ أَبَا دَاوُدَ اشْتَرَى الْجَنَّةَ بِدِرْهَمٍ.“
”ترجمہ:“ اے کشتی والو! ابوداؤد نے ایک درہم میں جنت خرید لی۔“



تذکرہ امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ

آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے: ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب بن علی بن بحر بن سنان بن دینار نسائی، نسا: خراسان میں ایک مشہور شہر ہے، اس کی طرف نسبت میں نسوی بھی کہا جاتا ہے (اور قیاس کے مطابق بھی یہی ہے مگر مشہور نسائی ہے) بہت بڑے حافظ حدیث ہیں۔ آپ کی ولادت ۲۱۲ھ میں ہوئی۔ (بعض ۲۱۵ھ بھی بتلاتے ہیں)

ذہبی فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے شیخ سے پوچھا امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ زیادہ حفظ رکھتے ہیں یا امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ؟ فرمایا: امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ، پھر میں نے اپنے والد سے یہی سوال کیا، انہوں نے بھی یہی جواب دیا۔

ابن طاہر کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ سعد بن علی زنجانی سے میں نے ایک شخص کا حال دریافت کیا، انہوں نے اس کو ثقہ فرمایا۔ میں نے کہا کہ امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ تو اس کو ضعیف کہتے تھے، فرمایا کہ راویوں کے متعلق امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ کی شرائط امام بخاری اور امام مسلم رحمہم اللہ تعالیٰ سے بھی زیادہ سخت تھیں۔ ابن الحداد شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اپنے اور اللہ کے مابین امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ کو واسطہ بنا چکا ہوں۔

طلب حدیث کے لئے انہوں نے حجاز، عراق، شام اور مصر وغیرہ کا سفر کیا تھا۔

۱۔ امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ترجمہ کے لئے دیکھیے! ”تہذیب الکمال“ ۳۲۸/۱۔ ”الکامل فی التاریخ“ ۹۶/۱۔ ”وفیات الاعیان“ ۷۷/۱ و ۷۸۔ ”تہذیب التہذیب“ ۱۲/۱۔ ”تذکرہ الحفاظ“ ۶۹۸/۲۔ ”طبقات الشافعیۃ الكبرى“ ۸۳/۲۔ ”البدایۃ والنہایۃ“ ۱۲۳/۱ و ۱۲۴۔ ہستان المحدثین اردو: ۱۸۸۔

بڑے بڑے شیوخ سے ملاقات کی تھی۔ سب سے پہلے یہ قتیبہ بن سعید رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس گئے ہیں، اس وقت ان کی عمر پندرہ سال کی تھی اور ایک سال دو ماہ ان کی خدمت میں قیام کیا۔ کہتے ہیں کہ فروع میں یہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مسلک پر تھے۔ ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن افطار کرتے تھے، بایں ہمہ کثیر الجماع تھے، چنانچہ چار عورتیں آپ کے نکاح میں تھیں اور ہر ایک کے پاس ایک ایک شب رہتے تھے۔ ان کے علاوہ لونڈیاں بھی موجود تھیں۔

پہلے انہوں نے ”سنن کبریٰ“ تصنیف فرمائی تھی۔ امیر وقت نے ان سے پوچھا کہ اس کتاب میں جتنی حدیثیں آپ نے جمع کی ہیں کیا وہ سب صحیح ہیں؟ فرمایا نہیں حسن بھی ہیں۔ اس نے کہا میرے لئے ایک مجموعہ مرتب فرما دیجئے جس میں صرف صحیح حدیثیں ہوں۔ اس کے بعد آپ نے ”سنن صغریٰ“ تالیف فرمائی جس کو ”مجتبیٰ“ بھی کہا جاتا ہے۔

ان کی وفات کا واقعہ یہ ہے کہ جب یہ حضرت علی اور اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مناقب لکھ کر فارغ ہو گئے تو انہوں نے چاہا کہ ان کو دمشق کی جامع مسجد میں پڑھ کر سنائیں، تاکہ بنو امیہ کی سلطنت کے اثر سے عوام میں ناصیبت کی طرف جو رجحان پیدا ہو گیا تھا اس کی اصلاح ہو جائے، ابھی اس کا تھوڑا سا ہی حصہ پڑھنے پائے تھے کہ ایک شخص نے پوچھا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل کے متعلق بھی آپ نے کچھ لکھا ہے؟ امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا اگر وہ برابر برابر چھوٹ جائیں تو بسا غنیمت ہے، مناقب تو ان کے کہاں ہیں؟ پھر کیا تھا لوگ ان پر ٹوٹ پڑے اور شیعہ شیعہ کہہ کر مارنا پیننا شروع کیا، ان کے خصیتین میں چند شدید ضربیں ایسی پہنچیں کہ نیم جان ہو گئے۔ خادم ان کو اٹھا کر گھر لے آئے۔ آپ نے فرمایا مجھے ابھی مکہ مکرمہ پہنچاؤ تا کہ میرا آخری وقت وہیں ہو۔ کہتے ہیں کہ جب امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ مکہ مکرمہ پہنچے تو آپ کا انتقال ہو گیا اور صفا و مروہ کے درمیان دفن

کئے گئے۔ ۱۳ صفر ۳۰۳ھ میں پیر کے دن آپ کا انتقال ہوا۔ بعض کا قول یہ بھی ہے کہ مکہ مکرمہ جاتے ہوئے راستہ میں بمقام شہر رملہ (فلسطین) انتقال ہوا، پھر وہاں سے آپ کی نعش مکہ معظمہ پہنچائی گئی، واللہ اعلم۔



تذکرہ امام ابن ماجہ رحمہ اللہ تعالیٰ

آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے: ابو عبد اللہ محمد بن یزید بن عبد اللہ ابن ماجہ قزوینی الربعی۔ ربعی ولاء کی طرف نسبت ہے۔ ابن خلکان بیان کرتے ہیں کہ ربعیہ عرب کے متعدد قبیلوں کا نام ہے، معلوم نہیں کہ ان بزرگ کی نسبت اس میں سے کس کی طرف ہے۔ قزوین عراق عجم کا مشہور شہر ہے۔

ابن ماجہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے بہت سی نافع اور مفید کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔ ان میں سے ایک ”سنن ابن ماجہ“ بھی ہے، جس کا صحاح ستہ میں شمار ہے۔ وہ جب اس کی تالیف سے فارغ ہوئے تو اس کو ابو زرہ رازی رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس پیش کیا، انہوں نے اس کو دیکھ کر فرمایا کہ میں سمجھتا ہوں کہ اگر یہ کتاب لوگوں کے ہاتھوں میں آگئی تو (حدیث کی موجودہ) تصنیفات یا ان میں سے اکثر معطل ہو کر رہ جائیں گی۔ فی الحقیقت احادیث کو بلا تکرار بیان کرنے اور حسن ترتیب و اختصار کے لحاظ سے کوئی کتاب اس کے ہمسر نہیں ہے۔ حافظ ابو زرہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس کی صحت پر گواہی دی ہے، انہوں نے فرمایا ہے کہ میرا ظن غالب یہ ہے کہ اس کتاب میں ایسی حدیثیں جن کی سندوں میں کچھ خلل ہے یا وہ مہتم یا شدید الزکارہ ہیں تمیں سے زیادہ نہ ہوں گی۔ اس سنن میں بتیس کتابیں ہیں۔ ایک ہزار پانچ سو ابواب اور کل چار ہزار احادیث ہیں۔

۱۔ امام ابن ماجہ قزوینی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ترجمہ کے لئے دیکھیے! ”سیر اعلام النبلاء“ ۲۷۷/۱۳۔ ”تہذیب الکمال“ ۴۰/۲۷۔ ”تذکرۃ الحفاظ“ ۶۳۶/۲۔ ”الکاشف“: ۳۔ الترجمة ۵۳۱۳۔ ”تہذیب التہذیب“ ۵۳۰/۹ و ۵۳۲۔ بستان المحدثین“ اردو، ص ۱۹۰۔

صحیح یہی ہے کہ ماجہ (جیم کی تخفیف) آپ کی والدہ کا نام ہے۔ ابن میں الف لکھنا چاہیے تاکہ معلوم ہو جائے کہ ابن ماجہ محمد کی صفت ہے نہ کہ عبد اللہ کی۔ ان کی تصانیف میں سے قرآن کی تفسیر اور ”کتاب التاریخ“ ہے۔

ابن ماجہ ۲۰۹ھ میں پیدا ہوئے۔ ان کو عراق، بصرہ، کوفہ، بغداد، مکہ، مدینہ، شام، مصر، واسط، ری اور دوسرے اسلامی شہروں میں سفر کرنے کا اتفاق ہوا۔ حدیث کے تمام علوم سے واقفیت اور شناسائی رکھتے تھے۔

جبارہ بن المغلس، ابراہیم بن المنذر، ابن نمیر، ہشام بن عمار رحمہم اللہ تعالیٰ اور اسی طبقہ کے دوسرے بزرگوں سے علم حدیث حاصل کیا۔ ابو بکر ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ تر استفادہ کیا۔ ۲۲ رمضان المبارک ۲۴۳ھ میں دوشنبہ کے روز امام ابن ماجہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا انتقال ہوا اور سہ شنبہ کے دن دفن ہوئے۔



تذکرہ امام دارمی رحمہ اللہ تعالیٰ

آپ کا نام و نسب یہ ہے: ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمن بن الفضل بن بہرام بن عبد الصمد نخعی، دارمی، سمرقندی ہے، جس سال عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ کی وفات ہوئی اس سال دارمی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ولادت ہے یعنی ۱۸۱ھ میں۔

دیانت، علم، اجتہاد اور عبادت میں ضرب المثل تھے۔ حدیث کی تلاش میں بلاد اسلامیہ کا دور دور کا سفر کیا۔ دارمی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے زمانہ کے امام تھے۔ امام مسلم، امام ترمذی، امام ابو داؤد اور امام احمد بن حنبل کے فرزند عبد اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم جیسے ائمہ حدیث آپ کے تلامذہ کی فہرست میں شامل ہیں۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی ”سنن صغریٰ“ کے علاوہ ان سے روایت کی ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے فرزند اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ خراسان میں چار شخص حافظ حدیث ہیں:

ابو زرعہ رازی، محمد بن اسماعیل بخاری، عبد اللہ بن عبد الرحمن دارمی، حسن بن شجاع بلخی رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

”مسند دارمی“ آپ کی مشہور تصنیف ہے اس کو مسند کہنا محدثین کی اصطلاح کے خلاف ہے۔

۱۔ امام دارمی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ترجمہ کے لئے دیکھیے! ”تاریخ بغداد“ ۲۹/۱ و ۳۲۔ ”انساب السمعانی“ ۲۵۲/۵۔ ”الکامل فی التاریخ“ ۲۱۷/۷۔ ”تذکرۃ الحفاظ“ ۵۳۴/۲۔ ”سیر اعلام النبلاء“ ۲۲۴/۱۲۔ ”تہذیب الکمال“ ۲۱۰/۱۵۔ ”ثقات ابن حبان“ ۳۶۴/۸۔ ”تہذیب التہذیب“ ۲۹۴/۵ و ۲۹۶۔ ”بستان المحدثین“ اردو، ص ۷۴۔

مجموعہ کتاب ۳۵۵۷ حدیثوں پر مشتمل ہے۔

پنجشنبہ (یوم عرفہ) ۲۵۵ھ میں آپ کی وفات ہوئی اور عید الاضحیٰ یوم جمعہ کو مدفون ہوئے۔ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کو جب ان کی وفات کی خبر پہنچی تو انتہائی صدمہ سے سر جھکا لیا، آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور بے ساختہ آپ کی زبان سے یہ حسرت آمیز شعر نکل گیا، حالانکہ بجز ان اشعار کے جو احادیث میں روایت کئے گئے ہیں آپ کبھی کوئی شعر نہیں پڑھتے تھے۔

إِنْ تَبَقِيَ تَفَجَّعُ بِالْأَحْبَبَةِ كُلِّهَا وَفَنَاءِ نَفْسِكَ لَا أَبَالَكَ أَفْجَعُ
تَرْجَمَكَ: ”اگر تو زندہ رہا تو تمام دوستوں کی مفارقت کا درد تجھ کو سہنا پڑے گا، مگر تیری موت کا سانحہ ان سب سے دردناک ہے۔“



۲۔ احادیث میں سب سے اعلیٰ اور اقرب اسانید ”ملائیات“ شمار ہوتی ہیں، ایسی روایات ”مسند دارمی“ میں پندرہ (۱۵) تک مروی ہیں۔ (مقدمہ اشعة اللمعات: ۲۰/۱)

تذکرہ امام دارقطنی رحمہ اللہ تعالیٰ

آپ کا نام و نسب یہ ہے: علی بن احمد بن مہدی بن مسعود بن نعمان بن دینار بن عبد اللہ۔ آپ کی کنیت ابو الحسن ہے۔ شافعی المذہب تھے۔ دارقطن بغداد میں ایک بڑا محلہ ہے وہیں آپ رہتے تھے۔

آپ ۳۵۶ھ میں پیدا ہوئے۔ طلب حدیث کے لئے آپ نے کوفہ، بصرہ، شام، واسط، مصر اور بلاد اسلامیہ کا سفر کیا ہے۔

حاکم عبد الغنی منذری صاحب ترغیب و ترہیب، تمام رازی صاحب فوائد مشہورہ اور ایوب نعیم صاحب حلیہ رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے ائمہ حدیث آپ کے زمرہ تلامذہ میں شامل تھے۔

فن علل و اسماء الرجال میں استاذ مانے جاتے تھے اور اپنی نظیر نہ رکھتے تھے۔ خطیب حاکم وغیرہ کو آپ کے تفوق کا اعتراف تھا۔ فنون حدیث کے علاوہ فن قرأت و تجوید میں بھی آپ کو کافی دستگاہ تھی۔

قوت حافظہ کا یہ عالم تھا کہ اپنے زمانہ شباب میں اسماعیلی صفار کی مجلس میں املاء میں بیٹھے ہوئے کچھ تحریر فرما رہے تھے، حاضرین میں سے کسی نے کہا کہ اس طرح تو تمہارا سماع معتبر نہیں ہو سکتا، ایک طرف لکھنے میں مشغول ہو اور دوسری طرف حدیث بھی سن رہے ہو! دارقطنی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا اچھا جناب کو یاد ہے کہ اب تک شیخ نے کتنی حدیثیں املاء کرائی ہیں؟ انہوں نے کہا نہیں۔ دارقطنی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اٹھارہ حدیثیں، پھر ان تمام حدیثوں کو بالترتیب حفظ سنا دیا یہ دیکھ کر

۱۔ امام دارقطنی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ترجمہ کے لئے دیکھیے! "وفیات الاعیان" ۲۹۷/۳. "سیر اعلام النبلاء" ۴۵۱/۱۶. "بستان المحدثین" اردو، ص ۷۵.

اہل مجلس حیران رہ گئے۔

ابو الحسن بیضاوی رحمہ اللہ تعالیٰ ایک شخص کو اپنے ہمراہ لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ یہ شخص بڑی دور دراز سے علم حدیث طلب کرنے کے لئے آیا ہے برائے مہربانی چند حدیثیں اس کو بھی املاء کرا دیجئے، دارقطنی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لطائف الحیل سے ٹالنے کے لئے یہ جواب دیا کہ مجھ کو فرصت نہیں، جب ابو الحسن بیضاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بہت اصرار کیا تو اس کو بیس سندیں ایسی لکھوائیں جن کا متن یہ تھا:

”نِعْمَ الشَّيْءُ الْهَدِيَّةُ أَمَامَ الْحَاجَةِ“

دوسرے دن وہ مرد غریب کوئی مناسب ہدیہ لے کر حاضر ہوا تو اس کو سترہ سندیں لکھوائیں اور ان سب کا متن یہ تھا:

”إِذَا أَنَاكُمْ كَرِيمٌ قَوْمٍ فَأَكْرَمُوهُ“

آپ کی علمی ظرفیتوں میں سے ایک واقعہ یہ بھی مشہور ہے کہ ایک دن آپ نماز میں مشغول تھے اور کوئی شخص غلطی سے ”نُسَيْر“ کو ”بشِير“ پڑھ رہا تھا، دارقطنی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”سُبْحَانَ اللَّهِ“ کہا تا کہ وہ اپنی غلطی پر متنبہ ہو جائے، مگر وہ نہ ہوا اور اب کی بار نُسَيْر (یاء کے ساتھ) پڑھنے لگا، جب آپ نے دیکھا کہ یہ کسی طرح اصلاح پر نہیں آتا تو آپ نے بلند آواز سے ﴿ن وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ﴾ پڑھنا شروع کر دیا تا کہ وہ سمجھ جائے کہ اس راوی کا نام نون کے ساتھ ہے۔

اسی طرح ایک شخص عمرو بن شعیب کو عمرو بن سعید پڑھ رہا تھا، یہاں بھی آپ نے ”سُبْحَانَ اللَّهِ“ کہا، جب وہ ادا کرنے میں اٹکنے لگا تو آپ نے یہ آیت تلاوت کی ﴿يَا شُعَيْبُ أَصَلَوْتُكَ تَأْمُرُكَ﴾ (نماز میں اس طرح تلقین کرنا شوائف کے یہاں جائز ہے، مگر احناف کے نزدیک درست نہیں)

آپ کی وفات ۸ ذیقعدہ ۳۸۵ھ میں جمعرات کے روز ہوئی۔ حافظ ابو نصر

بن مالا رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں فرشتوں سے دارقطنی رحمہ اللہ تعالیٰ کا حال پوچھ رہا ہوں، انہوں نے مجھے یہ جواب دیا کہ جنت میں ان کا لقب امام ہے۔ مقبرہ باب حرب میں معروف کرنی رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس آپ کا مزار مبارک بنا ہوا ہے۔



تذکرہ امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ

آپ کی کنیت ابو بکر ہے اور نام و نسب یہ ہے: احمد بن الحسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ بیہقی۔ بیہقی کی نسبت بیہق کی طرف ہے اور بیہق چند گاؤں کا نام ہے جو باہم متصل ہیں اور نیشاپور سے تیس کوس کے فاصلہ پر واقع ہیں اور یہ ایسا ہے جیسے نواحِ دہلی میں بارہہ اور ہریانہ۔

ان دیہات میں سب سے بڑا گاؤں خسروجرد ہے (جیم کے کسرہ کے ساتھ) جہاں بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کی قبر ہے۔ ماہ شعبان المعظم ۳۸۲ھ میں پیدا ہوئے۔ حاکم ابو طاہر بن فورک متکلم اصولی، ابو علی رودباری صوفی اور ابو عبد الرحمن سلمی صوفی رحمہم اللہ تعالیٰ سے علم حاصل کیا۔ بغداد، خراسان، کوفہ، حجاز اور دیگر بلاد اسلامیہ کا سفر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے علم میں بڑی برکت اور فہم میں کامل قوت عطا فرمائی تھی۔ ان کی یادگار میں ایسی ایسی تصانیف موجود ہیں جو ان سے پہلے لوگوں سے ظاہر نہیں ہوئیں۔ بہت کثیر تصانیف محدث تھے۔ ان کی تصانیف کی مجموعی تعداد ایک ہزار تک شمار کی گئی ہے۔

ان کے قلم سے ایسی ایسی تصانیف نکلی ہیں جن کی نظیر سابقین میں بھی خال خال ملتی ہے۔ ان کی چیدہ اور نافع تصانیف میں سے ”کتاب الاسماء والصفات“ ہے یہ کتاب دو جلدوں میں ہے۔ سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں مجھے اس

۱۔ امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ترجمہ کے لئے دیکھیے! ”الانساب للسمعانی“ ۳۸۱/۲۔
 ۲۔ ”الکامل لا بن اثیر“ ۵۲/۱۰۔ ”وفیات الاعیان“ ۷۵/۱ و ۷۶۔ ”تذکرہ الحفاظ“
 ۱۱۳۲/۲۔ ”سیر اعلام النبلاء“ ۱۶۳/۱۸۔ ”کشف الظنون“ ۹/۱ و ۵۳ و ۱۷۵۔
 ”طبقات السبکی“ ۱۶۰۸/۴۔ ”بستان المحدثین“ اردو، ص ۸۳۔

کتاب کی نظیر نہیں ملتی، اس طرح:

”دَلَائِلُ النَّبُوَّةِ، مَنَاقِبُ الشَّافِعِيِّ، دَعَوَاتُ الْكَبِيرِ، شَعْبُ الْإِيمَانِ“

سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں میں قسم کھا کر بیان کر سکتا ہوں کہ دنیا میں یہ پانچوں کتابیں بے مثل ہیں، اس کے علاوہ: ”سنن کبریٰ“، ”خلافيات“، ”کتاب الزهد“، ”اربعین صغریٰ و کبریٰ“، ”کتاب الاسرار“ بھی ان کی تصانیف میں بلند پایہ تصنیف ہیں۔

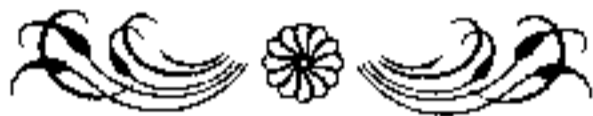
زہد و ورع میں وہی خصائل رکھتے تھے جو علماء ربانیین میں ہونی چاہئیں۔ امام الحرمین رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے کہ ہر شافعی مذہب والے پر امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے، لیکن ایک بیہتی ہیں جن کا احسان خود امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ پر ہے، کیونکہ ان کی فقہ کو اس طرح مضبوط و مدلل طور پر مدون کرنے اور اس کے رائج کرنے کا سہرا انہی کے سر ہے۔

”معرفة السنن والآثار“ کی تصنیف کے دوران متعدد اشخاص نے امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا کہ ان کے ہاتھ میں اس کتاب کے چند اجزاء ہیں اور وہ فرماتے ہیں کہ آج فقیہ احمد کی کتاب کے سات اجزاء ہم نے پڑھے ہیں۔ ان تمام فضائل و کمالات کے باوجود یہ تعجبات میں سے ہے کہ جامع ترمذی، نسائی اور سنن ابن ماجہ ان کے پاس نہ تھیں، اس لئے ان ہر سہ کتابوں کی احادیث کی انہیں کما ینبغی اطلاع نہ تھی۔

محمد بن عبدالعزیز مروزی رحمہ اللہ تعالیٰ جو مشہور فقیہ ہیں فرماتے ہیں کہ ایک روز میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک صندوق زمین سے آسمان کی طرف اڑا جا رہا ہے اور اس کے ارد گرد ایک ایسا چمکتا ہوا نور ہے جو آنکھوں کو خیرہ کرتا ہے، میں نے دریافت کیا کہ یہ کیا چیز ہے؟ تو فرشتوں نے جواب دیا کہ امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کی

تصنیفات کا یہ صندوق ہے جو بارگاہ کبریٰ میں مقبول ہو گیا ہے۔

۱۰ جمادی الاولیٰ ۴۵۸ھ کو شہر نیشاپور میں ان کا انتقال ہوا، پھر ان کا تابوت بیہق کے سب سے بڑے شہر خسر و جرد لایا گیا اور یہیں آپ کو ہمیشہ کے لئے سپرد خاک کر دیا گیا۔



۱۰ امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کا میلان کبھی کبھی شعر و شاعری کی طرف بھی ہوتا تھا، درج ذیل چند پر

حکمت بیت آپ ہی کے ہیں۔

مَنْ اعْتَصَرَ بِالْمَوْلَىٰ فَذَكَ جَلِيلٌ وَمَنْ رَامَ عِزًّا عَنِ سِوَاهُ ذَلِيلٌ
وَلَوْ أَنَّ نَفْسِي مُذْبِرًا هَا مَلِيكَهَا مَضَىٰ عُمْرُهَا دِي سَجْدَةً أَقْلِيلٌ
أَحَبُّ مَنَاجَاةِ الْحَبِيبِ بِأَوْجِهٍ وَلَكِنْ لِسَانَ الْمُذْنِبِينَ كَلِيلٌ

جس شخص کو خدا نے عزت دی تو وہ بزرگ ہے اور خدا کے سوا کسی دوسرے سے عزت کا طالب ہوا تو وہ ذلیل ہے۔

میرے نفس کی جیسے اس کو اس کے مالک نے پیدا کیا ہے، اگر تمام عمر سجدہ (عبادت) میں گزر جائے تو نہایت قلیل ہے۔

میں اپنے حبیب کی مناجات کو عمدہ طریقہ سے پسند کرتا ہوں، لیکن گنہگاروں کی زبان گوئی ہے۔
(بستان المحدثین، اردو، ص ۸۶)

تذکرہ امام رزین رحمہ اللہ تعالیٰ

آپ کی کنیت ابوالحسن اور نام رزین بن معاویہ بن عمار عبدیری اندلسی قرطبی ہے اور عبدیری قریش کے مشہور قبیلہ عبدالدار کی طرف نسبت ہے۔

مشہور محدث ہیں ”تَجْرِیْدُ الصِّحَاحِ“ نامی کتاب میں ”مؤطا امام مالک“ اور صحاح ستہ کی احادیث کو جمع کیا ہے۔ علامہ ابن اثیر جزری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب ”جامع الاصول“ کی تالیف میں اسی پر اعتماد کیا ہے۔ ان کی ایک اور تالیف تاریخ مکہ پر بھی ہے۔

ایک طویل زمانہ مکہ مکرمہ میں مقیم رہے اور وہیں وفات پائی۔ قیام مکہ کے دوران حافظ ابو مکتوم عیسیٰ بن ابوزر رحمہ اللہ تعالیٰ سے ”صحیح بخاری“ کی اور حافظ ابو عبد اللہ حسینی طبری رحمہ اللہ تعالیٰ سے ”صحیح مسلم“ کی سماعت فرمائی۔

ان سے حدیث حاصل کرنے والوں میں قاضی حرم ابوالمنظر محمد بن علی طبری، حافظ ابوموسیٰ مدینی اور حافظ ابن عساکر رحمہم اللہ تعالیٰ ہیں۔

صاحب ”بغیة الملتمس“ نے آپ کی وفات ۵۲۳ھ میں اور تقی الدین الفاسی نے ۵۲۵ھ میں بتلائی ہے، لیکن حافظ ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”سیر النبلاء“ اور ”العبر“ میں ۵۳۵ھ لکھی ہے۔



۱۔ امام رزین رحمہ اللہ تعالیٰ کے ترجمہ کے لئے دیکھیے! ”سیر اعلام النبلاء“ ۲۰/۲۰۴۔
”مقدمہ جامع الاصول“ ۴۸/۱۔ ”تذکرہ الحفاظ“ ۱۲۸۱/۴۔ ”کشف الظنون“ ۳۴۵/۱۔

فوائد اسناد

اس زمانہ میں جب کہ حدیثوں کی کتابیں مرتب ہو چکیں، حدیثوں کو مع السند بیان کرنے کی بظاہر کوئی ضرورت نہیں معلوم ہوتی، لیکن باوجود اس کے علماء نے اس سلسلہ سند کو مستحسن سمجھا اور اس کے چند فوائد تحریر فرمائے:

①..... اس سلسلہ سند سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اتصال اور وابستگی حاصل ہو جاتی ہے۔

۱۔ علم حدیث میں سند کی اہمیت مخفی نہیں۔ عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”الْإِسْنَادُ مِنَ الدِّينِ، وَلَوْ لَا الْإِسْنَادُ لَقَالَ مَنْ شَاءَ مَا شَاءَ“

اسناد دین میں سے ہے، اگر اسناد نہ ہوتی تو جس کا جو جی چاہتا کہتا۔ ان کا یہ بھی فرمان ہے:

”بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْقَوَائِمُ يَعْنِي الْإِسْنَادُ“

اسناد ہمارے اور لوگوں کے درمیان ”پائے“ ہیں، یعنی احادیث ہم نے خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنی بلکہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے سنی ہیں اور صحابہ کا دور ہم سے دور ہے، جس تک ہم واسطوں ہی سے پہنچ سکتے ہیں۔ خطیب بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے متعلق یہ الفاظ نقل کئے ہیں:

”مَثَلُ الَّذِي يَطْلُبُ أَمْرَ دِينِهِ بِإِسْنَادٍ كَمَثَلِ الَّذِي يَرْتَقِي السُّطْحَ بِلَا سُلْمٍ“
اس شخص کی مثال جو دینی بات کو بغیر سند کے حاصل کرتا ہے اس شخص جیسی ہے جو چھت پر بغیر سیڑھی کے چڑھتا ہے۔ (مقدمہ صحیح مسلم، ص ۱۲، باب بیان ان الاسناد من

الدين، فيض المنعم، ص ۸۲)

سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”الْإِسْنَادُ سَلَاخُ الْمُؤْمِنِ فَإِذَا لَمْ يَكُنْ مَعَهُ سَلَاخُ فَبَأَيِّ شَيْءٍ يُقَاتِلُ“

اسناد مؤمن کا ہتھیار ہے تو بغیر ہتھیار کے کیسے قتال کرے گا۔

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”مَثَلُ الَّذِي يَطْلُبُ الْحَدِيثَ بِإِسْنَادٍ كَمَثَلِ حَاطِبٍ لَيْلٍ“

بغیر سند کے طالب حدیث کی مثال ایسی ہے جیسے رات کو لکڑیاں چننے والا۔ (الاجوبة الفاضلة للأئلة الكاملة ص ۴۴۔)

۲..... یہ سلسلہ سند جاری رہتا ہے جو امت محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا طرہ امتیاز ہے اور یہ اسلام کے علاوہ کسی اور دین میں نہیں پایا جاتا، خواہ وہ ادیان سماوی ہوں یا غیر سماوی، بخلاف امت محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کہ ان کے یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات بالاسناد منقول ہے۔

۳..... سلف صالحین اور علماء محدثین کی اقتداء و پیروی حاصل ہو جاتی ہے۔

انہیں فوائد کے پیش نظر ختم کتب حدیث یا کتب درسیہ کے بعد مدارس میں سندیں بھی عطا کی جاتی ہیں، ورنہ دراصل قابلیت اور استعداد سند ہوا کرتی ہے اور اگر قابلیت و استعداد مفقود ہے تو سند رسمی ہوا کرتی ہے، تمبر کا کچھ مفید ہو تو ہو، لیکن استعداد و قابلیت کے ساتھ سند ہو تو ”نُورٌ عَلٰی نُورٍ“ اور اس وقت سند کبریتِ احمر کا حکم رکھتی ہے۔

مشائخ کرام اپنی اسانید کتاب و ہاں تک بیان کرتے تھے جہاں تک وہ معروف و مطبوع نہ ہو۔ ہمارے اکابر کے یہاں شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ تک سند بیان کرنے کا دستور ہے آگے نہیں، کیونکہ اس سے آگے مطبوع ہے، خود شاہ صاحب نے رسالہ ”الْاِزْدِشَادُ اِلٰی مُهِمَّاتِ الْاَسْنَادِ“ میں اپنی سند بیان فرمائی ہے اور اس میں اسانید کا جال بچھایا ہے۔

اسی طرح حضرت شاہ عبد الغنی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی اسانید ”الْبَيَانُ الْعَجَنِيُّ فِيْ اَسَانِيْدِ عَبْدِ الْغَنِِيِّ“ کے نام سے عرب و عجم میں مشہور ہے۔

۱..... حافظ ابن حزم رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں کہ: پہلی امتوں میں کسی کو یہ توفیق میسر نہیں ہوئی کہ اپنے رسول کے کلمات صحیح صحیح ثبوت کے ساتھ محفوظ کر سکے، یہ صرف اس امت کا طرہ امتیاز ہے کہ اس کو اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک کلمہ کی صحت اور اتصال کے ساتھ جمع کرنے کی توفیق بخش دی گئی ہے۔ آج روئے زمین پر کوئی مذہب ایسا نہیں ہے جو اپنے پیشوا کے ایک کلمہ کی سند بھی صحیح طریق پر پیش کر سکے۔ اس کے برخلاف اسلام ہے جو اپنے رسول کی سیرت کا ایک ایک شوشہ پوری صحت و اتصال کے ساتھ پیش کرتا ہے۔ (ترجمان السنۃ: ۱/۱۷۱)

اپنی سند مشکوٰۃ

میں اپنی بے بضاعتی اور عدم استعداد کا اعتراف کرتے ہوئے سند مشکوٰۃ کو تبرکاً تحریر کرتا ہوں:

۱..... میں نے ”مشکوٰۃ شریف“ حضرت مولانا ابوالشفاء حبیب الرحمن صاحب بلیاوی مدظلہم (مدرس دارالعلوم اشرفیہ راندیر) سے پڑھی۔ انہوں نے حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی رحمہ اللہ تعالیٰ سے پڑھی اور انہوں نے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمہ اللہ تعالیٰ سے پڑھی ہے۔

۲..... اسی طرح استاذ محترم مولانا ابوالشفاء صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے دوبارہ ”مشکوٰۃ“ کی سماعت حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ (صاحب التعلیق الصبیح) سے بھی کی ہے اور ان سے ان کو اجازت حاصل ہے۔ مولانا ادریس صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”مشکوٰۃ“ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے پڑھی ہے۔ انہوں نے حضرت مولانا محمد مظہر صاحب نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے اور انہوں نے استاد الکل حضرت مولانا مملوک علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے اور انہوں نے حضرت مولانا رشید الدین صاحب بخاری ثم دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے اور انہوں نے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے اور انہوں نے حضرت اقدس شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے کتب احادیث پڑھیں۔

۳..... حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کو جملہ کتب حدیث کی اجازت مولانا عبد القیوم صاحب بڈھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی حاصل ہے، جو حضرت شاہ اسحاق صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے ارشد تلامذہ میں سے ہونے کے علاوہ داماد بھی تھے اور شاہ اسحاق صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کو شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے، اس طرح حضرت کا سلسلہ تینوں واسطوں سے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ

اللہ تعالیٰ تک جا ملا۔

۴..... اسی طرح حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کو شاہ عبدالغنی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی اجازت حدیث حاصل ہے۔ ان کو اپنے والد شاہ ابو سعید صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے اور ان کو شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے۔ اسی طرح شاہ عبدالغنی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کو شاہ محمد اسحاق صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی اجازت حدیث ہے اور ان کو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے۔

۵..... اسی طرح حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کو شیخ احمد دحلان مفتی شافعیہ بمکتہ المکرمۃ سے بھی روایت و اجازت حدیث حاصل ہے۔

۶..... اسی طرح حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کو شیخ سید احمد برزنجی مفتی شافعیہ ببلدۃ الرسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بھی روایت و اجازت حدیث حاصل ہے۔

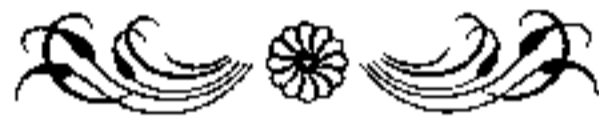
۷..... اسی طرح استاذی حضرت مولانا ابوالشفا صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کو حضرت علامہ ابراہیم بلیاوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی روایت و اجازت حدیث حاصل ہے۔

۸..... نیز حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ (صاحب فتح المسلمین) سے اجازت حدیث حاصل ہے۔

۹..... نیز حضرت اقدس مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ سے اجازت حدیث حاصل ہے اور ان ہر سہ حضرات کو حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے اور ان کو حضرت مولانا حجۃ الاسلام محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ اور حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ سے اور ان دونوں حضرات کو شیخ عبدالغنی محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے اجازت حدیث حاصل ہے۔

۱۰..... حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ کو حضرت شاہ عبدالغنی رحمہ اللہ تعالیٰ سے براہ

راست بھی اجازت حدیث حاصل ہے، نیز شیخ محمد مظہر صاحب نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ اور شیخ احمد علی سہارنپوری رحمہ اللہ تعالیٰ اور شیخ عبدالرحمن پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی روایت و اجازت حدیث حاصل ہے۔ ان چاروں حضرات کو شاہ محمد اسحاق صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے اور ان کو شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے اور ان کو مسند ہند حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے اجازت حدیث حاصل ہے۔



طالبین سے گزارش

علم حدیث کے شروع کرنے سے پہلے طلبہ عزیز سے چند باتیں بڑی خصوصیت کے ساتھ عرض کرنی ہیں۔

①..... اخلاص: "ای جعل العمل خالصاً" ملاوٹ اور آمیزش سے پاک کرنا۔ عمل علم حدیث کا حصول ہے اور اس کو جن چیزوں سے خالص کرنا ہے وہ ہر زمانہ میں متفاوت ہیں، جیسے جس زمانہ میں اسلامی حکومتیں تھیں لوگ علم کو حکومت کے عہدوں کو حاصل کرنے کے لئے حاصل کرتے تھے، لیکن اب وہ بات نہیں رہی۔ اس زمانہ میں طلباء کے لئے سب سے زیادہ ضرر رساں چیز وہ لاشعری ہے۔ آج اس بے غرضی نے ہمارے طلباء کو ہلاک کر دیا ہے۔ گھر سے والد یا اقرباء کے ہٹکا لینے سے یہ مدرسہ میں آگئے اور اپنی زندگی گزار رہے ہیں۔ اس کی سب سے بڑی علامت یہ ہے کہ سال کے ختم پر اگر کوئی کتاب اچھی سمجھ میں آئی ہے تو اس پر خوشی نہیں ہوتی اور کسی کتاب میں کمزوری رہی تو نہ غم ہوتا ہے نہ اس کی تلافی کی کوشش۔ ایک شخص گھر سے نکلا اور اس نے اپنی منزل بھی طے کر لی کہ یہاں تک پہنچنا ہے، اب یہ شخص حصول منزل میں کوشش کرے گا، لیکن جو بس تفریح کے لئے نکلے اور منزل بھی طے نہیں تو وہ کوئی جدوجہد نہ کرے گا، اس لئے اگر سبق کی چھٹی کا علم ہو جائے تو ان کو کوئی افسوس نہیں ہوتا، بخلاف وظیفہ کی چھٹی کے اعلان سے رونے لگتے ہیں۔

اس میدان میں قدم رکھنے والے کی ابتداء نیت تفریح فی الدین ہے۔ اسلامی احکام کو جاننا، اس کو سمجھنا اور اس کے اولہ اجمالیہ یا تفصیلیہ سے واقفیت حاصل کرنا ہے۔ یہ نیت ہوگی تو علم کے لئے ۲۵ سال بھی خرچ کرنا آسان ہے، ورنہ سند تو دو سال میں بھی حاصل کر سکتے ہو اور غایۃ الغایات وہ ابتغاء وجہ اللہ (اللہ تعالیٰ کی رضاء

کی طلب) ہے۔

②..... احترام: ۱۔

بے ادب محروم گشت از فضل رب
با ادب با نصیب بے ادب بے نصیب
اس میں تین چیزوں کا احترام کرنا ہے: ایک علم کا، دوسرا اسباب علم کا، تیسرا خود کا احترام۔

پہلا: علم ایک معنوی چیز ہے، جس درجہ کا علم ہو اسی درجہ کی عظمت اور اہمیت دل میں ہو اور اس کا امتحان دوسری چیز کے ٹکراؤ کے وقت ہوتا ہے۔

دوسرا: اسباب علم میں تین چیزیں ہیں: ایک استاد، دوم کتاب، سوم درسگاہ۔ استاد کی دل میں محبت ہو اور اس کے لئے دعا کا اہتمام ہو اور جن چیزوں سے اس کو تکلیف پہنچے ایسی تمام چیزوں سے دور رہے۔

کتاب کو چاہے کسی بھی فن کی ہو با وضو چھونے کا اہتمام ہو۔ ہمارے طلباء نے یہ اصول بنا لیا ہے کہ کتاب میں ہر سفید جگہ پر اپنی تحقیقات سے سیاہی کرنا، جلد کو توڑنا، کتاب کو پرچوں کی حفاظت کا طاق بنانا، یہ سب محرومی کے اسباب ہیں۔ اپنی ذاتی کتاب میں اتنی وسعت نکل سکتی ہے کہ متعلقات درس کو حسین انداز سے بطور حاشیہ نقل کر لیا جاوے۔

اور جس طریقہ سے مسجد کا احترام کرتے ہیں ایسے ہی درسگاہ کا احترام کرنا، اس میں شور کرنے سے، گندگی کرنے سے، اس کو سونے کی جگہ بنانے سے احتراز کیا جاوے۔

③..... استحضار: پڑھے ہوئے کو یاد رکھنا۔ اس کے لئے تین ذرائع ہیں: ایک مطالعہ کرنا، دوم دوران درس پورے طور پر توجہ کے ساتھ سمجھنے کی سعی کرنا، سوم مذاکرہ۔ اس زمانہ میں مطالعہ کا حاصل یہ ہے کہ آنے والے سبق میں کن کن مسائل

سے بحث ہوگی اس کا اجمالی طور پر تعین۔ دورانِ درس استاد کی تقریر پر پوری توجہ دی جائے۔ جسمانی اور دل و دماغ دونوں طریقہ سے حاضری ہو اور بات کو پورے طور پر سمجھنے کی سعی کرے اور اگر کوئی بات سمجھ میں نہ آسکی تو اولاً رفقاءِ درس سے پھر استاد سے مراجعت کر کے اس کو حل کر لیں، پھر ان تمام سمجھی ہوئی باتوں کا ساتھیوں کے سامنے تکرار کر جاوے۔ دورہٴ حدیث کے سال میں طلباء کو اساتذہ کی تقاریر کو نوٹ کرنے کا اہتمام کرنا چاہیے، پھر ان تقاریر میں سے خلاصہ کو ذہن میں محفوظ رکھنا چاہیے۔

۱۲..... اجتناب عن المعاصی: پیچھے جو احترام کا نمبر گذرا، اس میں ایک بات تھی خود کا احترام۔ ہر طالب علم کے پیش نظر ہمیشہ یہ ہونا چاہیے کہ میں علوم نبوت کا طالب ہوں۔ میرے لئے کیا مناسب ہوگا اور کیا نامناسب ہوگا، اس لئے جس دین کو وہ حاصل کر رہا ہے اس دین کے جملہ فرائض، واجبات، سنن کا پابند ہونا چاہیے۔ دو چیزیں ہیں ایک گناہ کا ہونا، دوسرا گناہ کرنا، بشری تقاضہ سے گناہ ہو سکتے ہیں تو فوری اس پر توبہ ہو اور گناہ بالقصد کرنا یہ طالب علم کی شان ہی نہیں ہے۔

ہمارے طلبہ میں عامۃً سینما بینی، ڈاڑھی کتر وانا، نماز میں کوتاہی، بد نظری، مجلس بازی میں اوقات کی تھصیح، لباس میں بے احتیاطی، اساتذہ اور منتظمین مدرسہ کی غیبت یہ سب امراض عام ہیں۔

جان لو علم ایک نور ہے، جس کو اللہ تعالیٰ قلب سلیم میں ودیعت فرماتے ہیں اور گناہوں سے اگر دل میں سیاہی ہوگی تو علم کا نور نہیں آسکتا۔ زمانہ طالب علمی ابھرتی جوانی کا عامۃً زمانہ ہوتا ہے، اس میں قوت شہوانیہ کا غلبہ ہوتا ہے، اس لئے بعض اکابر کا جملہ مشہور ہے ”جو اپنے ۱۷ سے ۲۷ سال تک کی عمر کی حفاظت کرتا ہے وہ ولی ہو کر دنیا سے رخصت ہوتا ہے۔“

ہمارے حضرت مرشد سیدی فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب

گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ فرمایا کرتے تھے کہ: ہمارے زمانہ میں جس دن ”بخاری شریف“ شروع ہوتی اس دن طلباء کی ایک بہت بڑی تعداد حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت سے بہرہ ور ہوتی۔

۵..... با وضو درس کا اہتمام: وضو ایک نور ہے اور علم بھی نور ہے اس لئے وضو کے ساتھ اہتمام کرو گے تو علم میں نورانیت آئے گی۔ بہت سے نیک بخت حضرات اب بھی ہیں جنہوں نے سن شعور میں قدم رکھنے کے بعد کسی بھی دینی کتاب کو بلا وضو نہیں چھویا۔

۶..... دعاء: علم خدا تعالیٰ کے خزانوں سے ملتا ہے، اس لئے باری تعالیٰ سے علم کی زیادتی مانگنے کا حکم ہوا، بلا طلب کے تو ماں بھی نہیں دیتی۔ ہمارے طلبہ اس معاملہ میں بہت پیچھے ہیں اور میں تو یوں کہتا ہوں کہ جو علم نافع کی زیادتی کی دعا نہیں مانگتا اس کی علامت یہ ہے کہ وہ طالب علمی کے زمانہ میں گھومتا پھرتا دوسرے امور میں مشغول نظر آوے گا اور دورہٴ حدیث شریف سے فراغت کے بعد علمی لائن میں نہیں آتا۔

ہمارے طلبہ کی اس سلسلہ میں چار انواع ہیں:

۱..... تعلیم میں محنت کے ساتھ دعاؤں کا بھی اہتمام۔

۲..... محنت بھی نہیں دعا بھی نہیں۔

۳..... محنت کرتے ہیں دعا نہیں مانگتے۔

۴..... صرف دعا مانگتے ہیں محنت نہیں کرتے۔ ان کا حال ایسا ہے جیسا شادی

کئے بغیر اولاد کی دعا کرنا۔ ساتھ میں دعا ایک مستقل عبادت ہے، دعا کی کثرت سے عبادت میں کثرت ہوتی ہے اور عبادت کی کثرت رضاء الہی کی کثرت کا موجب ہے، اس لئے طالب علم کو متواضع بن کر ہمیشہ دعا کا اہتمام کرنا چاہیے۔

ہمارے طلبہ کو دورہٴ حدیث کے سال میں جو کتابیں روایت پڑھائی جاتی ہیں، ان

میں زیادہ توجہ نہیں دیتے۔ نصاب بنانے والے اکابرین بیوقوف نہیں تھے، اس میں بہت سارے فوائد ہیں، سب سے بڑا فائدہ سرور ہے اور تکرار سے روایات اذق فی النفس ہو جاتی ہیں۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ، بِجَاهِ سَيِّدِ
الْمُرْسَلِينَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَى آلِهِ وَعَلَى
أَصْحَابِهِ وَعَلَى مَنْ تَبِعَهُمْ بِإِحْسَانٍ إِلَى يَوْمِ الدِّينِ.
(آمین)



سہ السرد، مصدر ہے معنی ہے لگا تار ہونا، مطلب یہ ہے کہ روایات لگا تار اور مسلسل پڑھنے و سننے سے محفوظ و اذق فی النفس ہو جائے۔

مصادر و مراجع

- احیاء علوم الدین امام محمد بن الغزالی متوفی ۵۰۵ھ دار احیاء التراث العربی بیروت
- افیض الممعات شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر پاکستان۔
- الاعلام للزرکلی خیر الدین بن محمود بن محمد الزرکلی متوفی ۱۳۹۶ھ مطابق ۱۹۷۶ء دارالعلم للملایین
- اعلام الحدیث امام ابوسلیمان احمد بن الخطاب متوفی ۳۸۸ھ مرکز احیاء التراث الاسلامی جامع ام القرئی
- اعلاء السنن علامہ ظفر احمد عثمانی متوفی دارالاشاعت کراچی
- الانساب ابوسعید عبدالکریم بن محمد بن منصور السمنانی متوفی ۵۶۲ھ دارالبحان بیروت
- اوجز المسالك شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا متوفی ۱۳۰۲ھ ادارة تالیفات اشرفیہ ملتان
- البدایة والنہایة عماد الدین اسماعیل بن عمر المعروف بابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ المعارف بیروت
- اسد الغابۃ
- بستان المحررین حضرت شاہ عبدالعزیز متوفی ۱۲۳۹ھ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی
- تاریخ بغداد حافظ احمد بن علی المعروف بالخطیب البغدادی متوفی ۳۶۳ھ دارالکتب بیروت
- تاریخ البخاری الکبیر محمد بن اسماعیل البخاری متوفی ۲۵۶ھ دارالبازمکة المکرمہ
- تدریب الراوی حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ المکتبۃ العلمیۃ مدینۃ المنورۃ
- تدوین حدیث حضرت مولانا سید مناظر حسن گیلانی مکتبہ اسحاقیہ جوٹا مارکیٹ کراچی
- توجیہ النظر الی اصول الاثر علامہ طاہر بن صالح بن احمد الجزیری دارالمعرفۃ بیروت
- تذکرۃ الحفاظ حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ دائرة المعارف العثمانیہ

○ ترجمان السنۃ..... مولانا بدر عالم میرٹھی متوفی ۱۳۸۵ھ..... ادارہ اسلامیات لاہور

○ اتعلیق الصبح..... مولانا محمد ادریس کاندھلوی متوفی ۱۳۹۲ھ..... مکتبہ عثمانیہ لاہور

○ مجموعۃ الفتاویٰ..... علامہ عبدالحی لکھنوی متوفی ۱۳۰۳ھ..... دارالاشاعت کراچی

○ تعلیقات الرفع والتکمیل..... عبدالفتاح ابوعدۃ متوفی ۱۳۱۷ھ، مکتبہ المطبوعات الاسلامیہ بحلب

○ تفسیر عزیز ی..... سراج الہند مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی متوفی ۱۲۳۹ھ..... افغانی دارالکتب

دہلی

○ تقریب التہذیب..... حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ..... دارالرشید، حلب

○ تقریر بخاری..... مولانا ذکری صاحب متوفی ۱۴۰۲ھ..... مکتبہ الشیخ کراچی

○ تلخیص الخیر..... حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ..... دارنشر الکتب الاسلامیہ لاہور

○ تہذیب التہذیب..... حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ..... دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن

○ تہذیب الکمال..... جمال الدین یوسف بن عبدالرحمن بن مزی متوفی ۷۲۳ھ..... مؤسسۃ

الرسالۃ

○ تہذیب الاسماء واللغات..... امام محی الدین ابو زکریا یحییٰ بن شرف متوفی ۶۷۶ھ..... ادارۃ الطباعة

المعیریۃ

○ الثقات لابن حبان..... حافظ ابو حاتم محمد بن حبان بستی متوفی ۳۵۳ھ..... دائرۃ المعارف

العثمانیۃ حیدرآباد

○ جامع بیان العلم وفضلہ..... حافظ ابو عمر یوسف بن عبدالبر مالکی متوفی ۴۶۳ھ..... دارالفکر بیروت

○ الجامع للترمذی..... امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی متوفی ۲۷۹ھ..... ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

○ الجامع للترمذی..... امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی متوفی ۲۷۹ھ..... داراحیاء التراث العربی

○ التقریب..... امام ابو زکریا یحییٰ بن شرف متوفی ۶۷۶ھ..... مکتبہ العلمیۃ مدینہ منورہ

○ الرسالة المستطرفہ..... علامہ محمد بن جعفر کتانی..... میر محمد آرام باغ کراچی

○ الکاشف عن حقائق السنن..... الامام شرف الدین حسین بن الطیبی..... ادارۃ القرآن کراچی

○ الاربعین النوویۃ..... ابو زکریا یحییٰ بن شرف النووی متوفی ۶۷۶ھ..... طبعة شریعتی

○ حلیۃ الاولیاء..... حافظ ابو نعیم احمد بن عبداللہ بن احمد اصفہانی متوفی ۳۳۰ھ..... دارالفکر بیروت

○ خلاصۃ الخرزجی..... احمد بن عبداللہ الخرزجی متوفی بعد ۹۲۳ھ..... مکتبہ المطبوعات

الاسلامیۃ بحلب

○ الدر المختار..... علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد الحسکفی متوفی ۱۰۸۸ھ..... مکتبہ رشیدیہ گورنمنٹ

○ رسائل ابن عابدین..... شیخ محمد امین الشہیر باین عابدین الشامی متوفی ۱۲۵۲ھ..... سہیل اکیڈمی

لاہور

○ زہر الربی (مع سنن النسائی)..... جلال الدین عبدالرحمن سیوطی متوفی ۹۱۱ھ..... قدیمی کتب خانہ

○ سنن النسائی الصغری..... ابو عبدالرحمن احمد بن شعیب النسائی متوفی ۳۰۳ھ..... قدیمی کتب

خانہ

○ سنن النسائی الکبری..... امام ابو عبدالرحمن احمد بن شعیب النسائی متوفی ۳۰۳ھ..... نشر السنۃ

ملتان

○ سنن دارمی..... امام ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمن الداری متوفی ۲۵۵ھ..... قدیمی کتب خانہ کراچی

○ سنن دارقطنی..... حافظ ابو الحسن علی بن عمر الدارقطنی متوفی ۳۸۵ھ..... دارنشر الکتب الاسلامیۃ

لاہور

○ سنن ابن ماجہ..... امام ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۴۳ھ..... قدیمی کتب خانہ کراچی

○ سنن ابن ماجہ..... دارالکتب المصری قاہرہ

○ سنن ابی داؤد..... امام ابو داؤد سلیمان بن الاشعث البجستانی متوفی ۲۷۵ھ..... ایچ ایم سعید کمپنی

کراچی

○ سنن ابی داؤد..... امام ابو داؤد سلیمان بن الاشعث البجستانی متوفی ۲۷۵ھ..... داراحیاء السنۃ

النبویۃ

○ سیرۃ المصطفی..... حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی متوفی ۱۳۹۲ھ بمطابق ۱۹۷۲ء..... مکتبہ

عثمانہ لاہور

○ سیر اعلام النبلاء..... ابو عبداللہ شمس الدین محمد بن احمد زہبی متوفی ۷۴۸ھ..... مؤسسۃ الرسالۃ

- شرح الطیبی امام شرف الدین حسین بن محمد بن عبداللہ الطیبی متوفی ۷۴۳ھ ادارۃ القرآن کراچی
- شرح الزرقانی شیخ محمد بن عبدالباقی بن یوسف الزرقانی المصری متوفی ۱۱۲۲ھ دارالفکر بیروت
- شرح الکرمانی علامہ شمس الدین محمد بن یوسف بن علی الکرمانی متوفی ۷۸۶ھ داراحیاء التراث العربی
- شرح النووی علی صحیح مسلم ابو زکریا یحییٰ النووی متوفی ۶۷۶ھ قدیمی کتب خانہ کراچی
- شرح معانی الآثار امام ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامہ طحاوی متوفی ۳۲۱ھ میر محمد کراچی
- شعب الایمان امام حافظ احمد بن الحسین علی البیہقی متوفی ۳۵۸ھ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۱۰ھ
- صحیح البخاری امام ابو عبداللہ بن اسماعیل البخاری متوفی ۲۵۶ھ قدیمی کتب خانہ کراچی
- صحیح مسلم امام مسلم بن الحجاج القشیری النیسابوری متوفی ۲۶۱ھ قدیمی کتب خانہ کراچی
- صحیح ابن حبان حافظ محمد بن حبان ابو حاتم دارالکتب العلمیۃ بیروت
- صفۃ الصفوة
- طبقات الشافعیۃ الکبریٰ تاج الدین عبدالوہاب بن تقی الدین سبکی متوفی ۷۷۷ھ دارالمعرفۃ بیروت
- طبقات ابن سعد امام ابو عبداللہ محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ دارصادر بیروت
- علوم القرآن علامہ شمس الحق افغانی متوفی ۱۴۰۳ھ المکتبۃ الاشرافیۃ لاہور
- عمدۃ القاری امام بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی متوفی ۸۵۵ھ ادارۃ الطباعة المنیریۃ
- فتح الملہم شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ مکتبۃ الحجاز حیدری کراچی
- فتح القدر امام کمال الدین محمد بن عبدالواحد المعروف بابن الہمام متوفی ۸۶۱ھ مکتبۃ رشیدیہ کوئٹہ

- الفہرست محمد بن اسحاق الوراق المعروف بابن الندیم البغدادی متوفی ۳۸۵ھ مکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ بمصر
- الفوائد السبئیۃ فی تراجم الخفییۃ علامہ عبدالحی لکھنوی الانصاری متوفی ۱۳۰۴ھ خیر کثیر کتب کراچی
- فیض الباری امام العصر علامہ نور شاہ کشمیری متوفی ۱۳۵۲ھ ربانی بکڈ پو دہلی
- فیض القدر شیخ محمد عبدالرؤف المناوی دارالمعرفۃ بیروت
- الفیض السمانی مولانا محمد عاقل مدرس الحدیث بمظاہر العلوم مکتبۃ خلیفۃ سہارنپور
- الکامل فی ضعف الرجال حافظ ابو احمد عبداللہ بن عدی الجرجانی متوفی ۳۶۵ھ دارالفکر بیروت
- الکامل فی التاریخ علامہ ابوالحسن عزالدین علی بن محمد ابن الاثیر الجزری متوفی ۶۲۰ھ دارالکتب العربی
- کشاف اصطلاحات الفنون علامہ محمد علی تھانوی متوفی ۱۱۹۱ھ سبیل اکیڈمی لاہور
- کشف الباری شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہ العالی مکتبۃ فاروقیہ کراچی
- مجمع الزوائد امام نورالدین علی ابن ابی بکر البیہقی متوفی ۸۰۷ھ دارالفکر بیروت
- مجمع بحار الانوار علامہ محمد طاہر یحییٰ متوفی ۹۸۲ھ دائرۃ المعارف العثمانیۃ حیدرآباد ۱۳۹۵ھ
- مجموع فتاویٰ شیخ الاسلام حافظ تقی الدین احمد بن عبدالعلیم حراثی متوفی ۷۲۸ھ طبعۃ الملک فہد
- المرقاة علامہ نورالدین علی بن سلطان القاری متوفی ۱۰۱۴ھ مکتبۃ امدادیہ ملتان
- المستصفی امام محمد بن محمد الغزالی متوفی ۵۰۵ھ المکتبۃ الکبریٰ بمصر
- المستدرک حافظ ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم النیسابوری متوفی ۴۰۵ھ دارالفکر بیروت
- مسند احمد امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ المکتبۃ الاسلامی دارصادر بیروت

○ مکتوٰۃ المصانح ولی الدین خطیب محمد بن عبداللہ متوفی ۷۳۷ھ کے بعد قدیمی کتب خانہ کراچی

○ مصنف عبدالرزاق امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ مجلس علمی جنوبی افریقہ

○ المصنف فی الاحادیث والاثر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۳۳۵ھ دارالسلفیہ ہند

○ مظاہر حق علامہ نواب محمد قطب الدین خان دہلوی المصباح اردو بازار لاہور

○ معجم البلدان علامہ ابو عبداللہ یاقوت حموی رومی متوفی ۶۲۶ھ داراحیاء التراث العربی

بیروت

○ المعجم الکبیر والمعجم الضعیر امام سلیمان بن احمد بن ایوب الطبرانی متوفی ۳۶۰ھ داراحیاء

التراث العربی

○ الحدیث الفاضل شیخ رامہ مزی لبنان بیروت

○ معارف القرآن مفتی اعظم مفتی محمد شفیع متوفی ۱۳۹۶ھ ادارۃ المعارف کراچی

○ معارف الحدیث مولانا منظور احمد نعمانی صاحب دارالاشاعت کراچی

○ معارف السنن مولانا محمد یوسف بنوری متوفی

○ مقدمۃ المحقق علی جامع الاصول عبدالقادر الارناؤط دارالفکر بیروت

○ مقدمۃ فتح الباری حافظ احمد بن علی المعروف بابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ دارالفکر

بیروت

○ مقدمۃ لامع الداری شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی متوفی ۱۴۰۲ھ مکتبہ امدادیہ

مکہ مکرمہ

○ مکتبۃ الامام الاعظم بین الحدیثین محمد عبدالعزیز صاحب ادارۃ القرآن کراچی

○ مؤطا الامام محمد امام محمد بن الحسن الشیبانی متوفی ۱۸۹ھ نور محمد صالح المطابع کراچی

○ میزان الاعتدال حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ داراحیاء الکتب

العربیہ

○ نزہۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ الرحیم اکیڈمی

○ نصب الرایۃ حافظ ابو محمد جمال الدین عبداللہ بن یوسف زیلیسی متوفی ۷۶۲ھ مجلس علمی ڈابھیل

○ وفيات الایمان قاضی شمس الدین محمد بن احمد المعروف بابن خلکان متوفی ۶۸۱ھ دار

صادر بیروت

○ ہدی الساری مقدمۃ فتح الباری احمد بن علی المعروف بابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ دارالفکر بیروت

○ عجالۃ النافذہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نور محمد آرام باغ کراچی

○ لسان المیزان حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ بیروت



